کتاب الصدق

حضرت شیخ ابو سعید کی شہرہ آفاق کتاب کا مستند اردو ترجمہ

مصنف

حضرت شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تخریج

سید محمد فاروق القادری

یعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم

تصوف فاؤنڈیشن

١٤١٩

کتاب الصدق

حضرت شیخ ابو سعید کی شہرۂ آفاق کتاب کا شستہ اُردو ترجمہ

ہدیہ تبریک

ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

ایم اے اقتصادیات ○ ایم اے علوم اسلامیہ

بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

حضرت فضل شاہ رحمۃ اللہ علیہ (نوروالوں کا ڈیرہ) سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ دوران ملازمت اہم کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔ المعارف، گنج بخش روڈ اور سمن آباد میں اسلامک بک فاؤنڈیشن، تصوف فاؤنڈیشن جیسے اداروں کا قیام ان کی بزرگانِ دین سے گہری عقیدت اور محبت کی غماز ہے۔ مرکز معارف اولیاء داتا دربار لاہور۔ (محکمہ اوقاف پنجاب) کے مجوز اور پہلے مہتمم بھی رہے۔ تصوف پر اُردو، فارسی، عربی، انگریزی میں متعدد کلاسیک کتب شائع کرنے کی وجہ سے علمی اور روحانی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت تھے۔ اُن کے وصال کے بعد یہ سلسلہ اشاعت رُک گیا تھا، تصوف فاؤنڈیشن نے کافی عرصہ کے بعد تصوف پر مستند علمی کتب کی اشاعت کا یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا ہے جو کہ انہی کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے، یہ کتاب بھی اس سلسلہ اشاعت کی ایک کڑی ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ وہ بانی ادارہ کو ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

❁

حضرت شیخ ابو سعید خراز کی شہرہ آفاق کتاب کا مستند اردو ترجمہ

مصنف

حضرت شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم

سید محمد فاروق القادری

تصوف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

سمن آباد — لاہور — پاکستان

تقسیم کار:- "المعارف" ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

یکے از مطبوعات تصوف فاؤنڈیشن

کلاسیک کتب تصوف ٥ سلسلہ اُردو تراجم

٥

نام کتاب : کتاب الصدق
مصنف : حضرت شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ
مترجم : سیّد محمد فاروق القادری (ایم اے)
ناشر : تصوف فاؤنڈیشن، لاہور۔
طابع : ایس پنجاب پرنٹرز، لاہور۔
سال اشاعت : ۱۴۳۲ھ ــــــ ۲۰۱۱ء
قیمت : ۲۰۰ روپے
تعداد : پانچ سو
واحد تقسیم کار : المعارف گنج بخش روڈ، لاہور۔

٥

تصوّف فاؤنڈیشن کی تمام کتابیں صُوری و معنوی محاسن کا شاہکار ہیں

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

❁ ❁ ❁

تصوف فاؤنڈیشن ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر کو ایصالِ ثواب کے لیے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سنت اور سلف صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مطابق تبلیغ دین اور تحقیق و اشاعت کتبِ تصوف کے لیے وقف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

انسان کو انفرادی و اجتماعی طور پر فرد اور معاشرے کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید کارآمد اور خدمت گزار بنانے کے سلسلے میں من حیث الجماعت صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات، افکار اور کردار کے ذریعے جو خدمات انجام دی ہیں تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی سید العرب والعجم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے ایک ہزار سال بعد تک اسلام کی سرزمین نے وہ لالہ و گل پیدا کیے ہیں جن کی چہک و مہک سے پوری انسانیت کا چمن کھل اٹھا ہے، انسان دوستی، خدمت گزاری، صلح پسندی امن و آشتی محبت و رحمت کے ان داعیوں کے کارناموں کی تاریخی اہمیت انسانی عقل کے بلوغ کے ساتھ ساتھ زیادہ واضح ہوتی جائے گی، اسی گروہ کے ایک نامور فرد شیخ ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخراز رحمۃ اللہ علیہ ہو گزرے ہیں جنہیں ''مجتہد فی الطریقت'' [1] ایسے معزز لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی حالات کہیں نہیں ملتے، آپکی تاریخ وفات کے بارے میں بھی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ مستند اقوال میں آپ کی تاریخ وصال ۲۴۷ھ ۲۷۷ھ ۲۸۹ھ اور ۳۱۶ھ ملتی ہے [2] آربری کے نزدیک ۲۸۶ھ آپکا صحیح سن وفات ہے [3]۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء: ۳۰۶ [2] تاریخ بغداد: ۴: ۲۷۸، رسالہ قشیریہ (لولاق): ۲۸، تاریخ الکبیر ابن عساکر: ۱: ۴۳۲، الطبقات الکبریٰ: ۱: ۱۰۷ [3] ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب الصدق از آربری

آپ سری سقطیؒ، بشر حافیؒ، ذوالنون مصریؒ اور نباجیؒ کے ہم عصر اور فیض یافتہ ہیں، آپکا زمانہ ہر چند سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کا زریں دور تھا، تاہم فلسفیانہ خیالات اور نئے علوم وافکار کی اندھا دھند یلغار پوری قوت سے مسلمانوں کے ایمان وایقان پر حملہ آور ہو رہی تھی ان حالات میں آپ نے براہِ راست کتاب وسنت کی سادہ عام فہم اور انقلاب آفریں تعلیمات کی دعوت دی۔ آپ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ کتاب الصدق بقول آرتھر جان آربری خراز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسا شاہکار ہے جو تصوف کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کا انداز آپ نے حکایتی رکھ کر اسے زیادہ جاذب اور دلکش بنا دیا ہے، زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ جس بزرگ اور عارف سے یہ سوالات پوچھے گئے ہیں وہ عارف خود شیخ خراز رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔ بات کو بآسانی ذہن نشین کرانے اور اسے جاذب بنانے کا یہ معروف طریقہ اس دور کی اور بھی کئی کتابوں میں مل جاتا ہے، یونانی علوم کی آمد اور فلسفیانہ غور وفکر سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہمارے صوفیائے کرام کی اکثریت نے اسے محسوس کرتے ہوئے ان کے حل کی طرف توجہ دی ہے، یہی وجہ ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تک مشائخ صوفیا کی کتابوں میں ایک ہی مضمون کو مختلف عنوانات اور انداز بیان سے دہرایا گیا ہے۔ اس اعتبار سے شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُس تحریک کے بانیوں میں کیا جاسکتا ہے جو نئے علوم و افکار کے خلاف اسلامی حلقے سے اُٹھی۔ لفظ خراز کے بارے میں ہمیں کوئی مستند معلومات نہیں مل سکیں، لغت میں خراز کے معنی نگینہ فروش یا تسبیح فروش کے آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس دور کے دیگر مشائخ وعلما کی طرح آپ کی وجہ معاش یہی پیشہ ہو، یا آپ کے اجداد میں سے کوئی بزرگ اس پیشے سے متعلق رہے ہوں بہرحال یہ لفظ آپ کے نام کا حصہ بن گیا ہے۔

کتاب الصدق

یہ رسالہ پورے چار سو سال تک گمنامی میں رہا، سب سے پہلے اس کا اصلی نسخہ ابن

عربی محمد اسماعیل بن سودکین (المتوفی ۶۴۶ھ مطابق ۱۲۴۸ء) نے انتہائی خوشخط انداز میں نقل کیا اس کے بعد یہ نسخہ کہیں سے معروف فرانسیسی ادیب ایل میسکنان کے ہاتھ لگا انہوں نے اس کا بالاستعاب مطالعہ کیا، چنانچہ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کو انہوں نے اپنی تصنیف Essai میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے [۱]۔ اس کے بعد ۱۹۳۷ء میں کتاب الصدق کا یہی نسخہ انڈیا آفس فارمرلی فیلو آف پیمروک کالج، کیمبرج کے اسسٹنٹ لائبریرین آرتھر جان آربری کو ملا انہوں نے اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن کی اجازت سے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ کر کے اصل کتاب اور ترجمہ کو ایک ساتھ استنبول یونیکم کی ایڈیٹرشپ کے تحت آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع کیا، آربری کا ترجمہ قدیم انگریزی زبان میں ہے تاہم انہوں نے اپنی طرف سے اسمیں کوئی اضافہ نہیں کیا، البتہ کتاب الصدق کے مختلف عنوانات قائم کردیے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو آسانی ہو۔

کتاب الصدق ایک ایسا رسالہ ہے جس میں صوفیائے کرام کے نظریات کو جدید ترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ظاہر و باطن کے تمام افعال و اعمال میں اخلاص اور سچائی بنیادی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ آپ نے صدق کے عنوان کے تحت مقاماتِ خوف ورجاء یقین، محبت، حیا، اشتیاق، قرب اور انس کے احوال کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لیے ہر سالک راہ کو ان سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر باب کا آغاز قرآنی آیات سے کیا ہے جا بجا سنت نبویہ سے بھی استناد کیا ہے۔ صوفیا اور سلف صالحین کی پاکیزہ زندگیوں کے واقعات وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں انبیائے کرام بالخصوص سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارکہ سے بکثرت مثالیں پیش کی ہیں، تبلیغ دین اور راہ حق میں ان نفوس قدسیہ نے جو تکالیف اُٹھائی ہیں ان کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ ایک سالک راہ کو اپنی روحانی تعمیر و تطہیر کا زبردست جذبہ ابھرنے لگتا ہے۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ج۲: کالم ۹۶۹

عام طور پر اسلامی تصوف کے نظریہ فنا و بقا کا موجد بھی حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ ہی کو قرار دیا گیا ہے اسی بنا پر صوفیا نے انہیں مجتہد فی الطریقت کے نام سے یاد کیا ہے آپ نے اپنی معروف تصنیف ''کتاب السر'' میں اس نظریہ کی تائید میں بہت دلائل دیئے ہیں[۱] یہ نظریہ فنا و بقا کیا چیز ہے؟ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

''فنا کا مفہوم یہ ہے کہ ہر چیز کا حظ اور لطف جاتا رہے اور خدا کی ذات میں فنا ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا جائے، چنانچہ شیخ عامر بن عبداللہ فرماتے ہیں مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ میں عورت کو دیکھتا ہوں یا دیوار کو، ایسا شخص ہر وقت خدا کی یاد میں مشغول رہتا ہے اور اسے کسی مخالفت کی پرواہ نہیں ہوتی، بقا بھی فنا کے پیچھے پیچھے ہوتی ہے، بقا کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ہر چیز کو فنا کر کے خدا کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے.................. شیخ خراز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، فنا حق کے ساتھ معدوم رہنے کا دوسرا نام ہے اور بقا یہ ہے کہ حق کے ساتھ موجود رہے''[۲]

کیا صوفی پر ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں پہنچ کر وہ شعوری طور پر صدق کے ازدیاد کی تمام کوششیں ترک کر دیتا ہے؟ غالباً بقول آربری اسی سوال کے جواب کی خاطر خراز کو فنا و بقا کا نظریہ وضع کرنا پڑا ہے۔ یوں تو سارے صوفیائے کرام کی تصانیف اور تعلیمات ان کے احوال و واردات ہی کی سرگزشت ہوتی ہیں مگر خراز رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالے کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے سے یہ تاثر صاف پیدا ہوتا ہے کہ خراز احسان کے بلند ترین منصب پر فائز تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں لسان التصوف اور قدوہ طارم طریقت عرقہ قدم حقیقت، معزز عالم، اور قطب وقت کے القابات سے یاد کیا گیا ہے[۳]۔

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء: ۳۰۷ [۲] عوارف المعارف: ۵۲۰ مطبوعہ بیروت

[۳] تذکرۃ الاولیاء: ۳۰۶

راقم الحروف کے نزدیک کتاب الصدق کا سب سے زیادہ دلچسپ اور انقلاب آفریں حصہ وہ ہے جس میں ایک صوفی کیلئے معاشی دستور العمل بیان کیا گیا ہے، یہ حصہ **الصدق فی الحلال الصافی اذا وجدته و کیف العمل به** کے نام سے صفحہ ۱۷ سے شروع ہوکر صفحہ ۴۱ تک پھیلا ہوا ہے، ان میں حلال اشیا کے استعمال اوران میں صدق کا عمل دخل، انفاق فی سبیل اللہ، خلفائے راشدین کا طریق کار، صدق فی الزہد، درجات زُہد، صدق فی التوکل، توکل کی خوبیاں، توکل کی تعریف، قطع اسباب ایسے اہم عنوانات شامل ہیں، ان ابواب میں جونئی چیز سامنے آتی ہے وہ ایک صوفی کا نظریہ ملکیت ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں کہ شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک حقیقی صوفی کی اپنی ملکیت کچھ نہیں ہے اور نہ ہی کسی صوفی کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی ملکیت پیدا کرے چاہے یہ بات شریعت کے حکم کے طور پر ہے چاہے استحساناً! بہر حال آج سے ایک ہزار سال پہلے کے ایک تبحر صوفی عالم کا یہ نظریہ کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ یوں اگر مشائخ صوفیا کی پاکیزہ زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی عملی طرح سے ذاتی ملکیت کے نظریے کو قبول نہیں کیا۔ لاکھوں کی یافت اور فتوح، سلاطین وقت کے نذرانے بیش قیمت جاگیریں بھی انہیں اپنے اصول سے نہیں پھیر سکیں، ان نفوس قدسیہ نے پھٹے پرانے کپڑوں، لوٹے، مسواک اور عصا کے علاوہ کسی چیز کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں سمجھا۔ سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایسے بزرگوں نے تو تاج وتخت کو لات مار کر اس کوچہ کی راہ نوردی اختیار کی، اگر تصوف اسلامی کو اسلام کا عملی پہلو سمجھ لیا جائے تو اس کی پوری تاریخ معاشی استحصال، معاشی گروہ بندی اور سرمایہ داری کے خلاف عملی تحریک ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک اسی طرح خلفائے راشدین کے ساتھ اگر صوفیائے کرام کو ملا لیا جائے تو یہ پورا تاریخی تسلسل ہے۔ ہمارے علماء کو چاہیے کہ وہ سوشلزم اور کمیونزم کی منفی تردید وتنقیص کر کے سرمایہ داری کے لیے راستہ ہموار نہ کریں، بلکہ

سالہاسال سے مظلوم ومقہور انسانیت کے مسائل اسلام کی تعلیم اور صوفیائے کرام کے عمل کی روشنی میں حل کریں۔

سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک کے ان احوال پر ہمارے دینی مفکرین کی نگاہیں آخر کب پڑیں گی؟

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات ایک ایک مہینہ برابر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی اس اثنا میں آنحضور ﷺ کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزارہ کرتا تھا۔ (بخاری شریف)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی تھی۔ (بخاری شریف)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا میں آخری شب تھی کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چراغ کے لیے تیل پڑوسیوں سے ادھار منگوایا (بخاری شریف)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد! اے اللہ! مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ مسکینوں میں موت دے اور مسکینوں میں اُٹھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اضطراری کیفیت تھی تو یہ اسلامی تاریخ سے انتہائی لاعلمی ہوگی، مکی زندگی میں تو یہ کیفیت ہوسکتی ہے مگر مدنی زندگی میں جب کہ حکومت قائم ہوگئی مال و دولت کی افراط ہوگئی ہمسایہ حکومتوں کا جاہ وجلال اور شان وشوکت بھی دور کی چیز نہ رہی اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر عام اور سادہ زندگی کسی مجبوری کا نتیجہ تھی اور نہ رہبانیت کا کرشمہ، اگر یہ ساری کیفیت استحسان اور تطوع کے طور پر تھی تو کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اسے طاق نسیاں کی نذر کر دیا ہے؟ بہر حال مشائخ صوفیا کی پوری زندگیاں اسی اصول پر گزری ہیں۔ شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر جس قدر مواد جمع کیا ہے اور جس خوبی سے اسے بیان کیا ہے اس پر مقالہ لکھا جاسکتا ہے، کتاب الصدق کا یہ حصہ بہت ہی قابل قدر اور مفکرین کے لئے ایک مستقل موضوع ہے۔

شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے معرفت نفس کو عرفان الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے آپ کے نزدیک صوفی وہی ہے من کان فانیاً بنفسہٖ باقیاً باللّٰہِ تعالٰی مُستخلِصاً من الطبائع مُتصِلاً بحقیقۃ الاشیاء (جو اپنی ذات میں فانی ہوکر باقی باللہ ہو چکا ہو، آلائش بشریہ سے پاک وصاف ہو اور حقیقت اشیاء کی معرفت رکھتا ہو) مگر خراز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام اعمال اس وقت تک بے اثر رہتے ہیں جب تک کہ صوفی کے دل میں صدق واخلاص پیدا نہیں ہوتا۔ آپ صوفی کو خلوت گزینی اور انابت الی اللہ کا مشورہ بھی دیتے ہیں، آپ کے نزدیک صوفی کو خدا سے وہی نسبت ہے جو قطرے کو دریا سے ہے۔ صوفیا کے مشہور مسئلے وحدت الوجود کی طرف بھی اس رسالے میں بکثرت اشارات ملتے ہیں۔

خراز رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقوال

عارف خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہر چیز کا سہارا لیتا ہے لیکن رسائی حاصل کرنے لینے کے بعد وہ ماسوی اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے [1]۔

صوفی کیلئے ضروری ہے کہ وہ پاکیزہ لباس پہنے، خلوت نہ چھوڑے اور برائی سے بچے نیز فقر وفاقہ میں اللہ ہی کا طالب رہے۔ [2]

بندہ کو اس وقت تک شرف حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ذکر اس کی غذا اور خوراک نہ بن جائے۔

اہل معرفت کا پہلا مقام عجز وانکسار اور افتقار کے ساتھ تمیز ہے پھر وصل اور اتصال کے ساتھ سُرور، پھر انتباہ وآگہی کے ساتھ فنا، پھر انتظار کے ساتھ بقا، اس سے آگے کوئی نہیں پہنچتا مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے اس سے بھی آگے گئے ہیں اسی طرح ہر شخص پر اس کے ظرف کے مطابق تجلیٰ الٰہی ہوگی [3]۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ:۱۸۶ [2] الطبقات الکبریٰ:۱۸۷

[3] تذکرۃ الاولیاء:۳۰۸

ذکر الٰہی کی تین قسمیں ''زبان ذاکر مگر دل غافل یہ ذکر عادت ہے، زبان خاموش لیکن دل حاضر، زبان خاموش لیکن قلب جاری''

ترجمے کے لئے میرے سامنے ابن سودکین کے نسخے کی فوٹو اسٹیٹ والاتمن اور آربری کا انگریزی ترجمہ رہا ہے۔ پروفیسر آربری فاضل آدمی تھے مگر ترجمے میں کہیں کہیں ان سے شدید لغزشیں ہوئی ہیں۔ متن کے صفحہ ۲۶ پر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وھذا علی ابن طالب رضی اللّٰہ عنہٗ فی الخلافۃ قد اشتریٰ ازارً باربعۃ دراھم واشتریٰ قیمصًا بخمسۃ دراھم فکان فی طول فتقدم الی خرّاز فاخذ الشغرۃ فقطع الکم مع اطراف اصابعہ وھو یفرق الدنیا یُمنۃً ویُسرۃً

اس کا سیدھا اور سلیس ترجمہ یہ ہے کہ حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ نے خلافت کے زمانے میں چار درہموں میں تہبند اور پانچ دراہم میں قمیص خریدی، کرتے کی آستینیں لمبی تھیں۔ آپ کفش دوز کی دوکان پر تشریف لے گئے اور اس سے چھری (قینچی) لے کر آستینیں چھوٹی کر دیں، آپ دونوں ہاتھوں سے دنیا کو اپنے آپ سے دور ہٹاتے تھے۔ آربری نے آخری جملے کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

Yet the same man divided the world right and left

اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔ یہی وہ آدمی ہیں جنہوں نے دنیا کو دائیں بائیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا، بات ہو رہی ہے خلفائے راشدین کے زُہد اور دنیا سے بے رغبتی کی مگر من چہ گویم وطنبورہ من چہ می گوید کے مطابق آربری نے سمجھے بغیر ترجمہ کر لیا۔ اسی طرح ما انزلنا علیک القران التشقیٰ۔ اے محبوب ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت اٹھائیں۔ کا ترجمہ آربری نے اس طرح کیا ہے۔ ہم نے یہ

قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ شقاوت میں مبتلا ہوں۔(العیاذ باللہ)۔

اس طرح کی کئی غلطیاں ان سے ہوئی ہیں مگر ان کی ہمت اور محنت کی داد دینی چاہئے کہ انھوں نے یہ نایاب رسالہ ترجمے کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کر دیا۔ متن چونکہ ایک ہی ہے لہٰذا ترجمے کے وقت کچھ دقت پیش آئی ہے۔ اہل علم اس کا احساس فرمائیں گے۔

میرے محب اور علوم و معارف کے قدردان جناب نصر اقبال قریشی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس علم و معرفت کے خزانے کو عام استفادے کی خاطر خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔

سید محمد فاروق القادری

(ایم۔اے)

آستانۂ عالیہ شاہ آباد شریف

گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خان

۲۷ جولائی ۲۰۱۰ء

باب اوّل

عبادت کے تین بنیادی اصول اور ان کی اہمیت

شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عارف سے صدق کے بارے میں سوال کیا کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کیفیت اور معنی متعین فرمایئے اگر اس کو عملاً محسوس کرنے کی کوشش کروں تو کیا اس کو محسوس کرنا ممکن ہے؟

وہ فرمانے لگے "صدق کثیر المعانی لفظ ہے۔ آپ بتائیں کہ صدق کی وضاحت بالاختصار کروں یا تفصیل کے ساتھ۔ اور کیا میں ان اصولوں کی رعایت سے صدق کے علمی اور عملی دونوں پہلوؤں کی تشریح کروں جن پر فروعات کا مدار ہے؟"

میں (ابوسعید خراز) نے عرض کی کہ آپ دونوں طرح سے لفظ صدق کی وضاحت فرما دیجیے تاکہ اس کی صحیح پہچان ہو سکے۔

وہ فرمانے لگے کہ انشاء اللہ! میرے الفاظ صدق کے تمام پہلوؤں کو واضح کریں گے اور آپ بتائید الٰہی اس کے رموز و اسرار جان لیں گے چنانچہ آپ یوں گویا ہوئے:

ہر سالک راہ اور طالب حقیقت کو اپنے ایمان کی تصدیق اور نجات کیلئے لازمی ہے کہ وہ ذیل کے تین اصولوں کی معرفت حاصل کرے، ان پر عمل کرنے سے ایمان کو تقویت و توانائی ملتی ہے حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے اور ایمان کے جملہ فروعات کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔ اور بالآخر پاکیزگی اعمال کے ذریعے دولت اخلاص حاصل ہو جاتی ہے۔

اخلاص

پہلا اصول:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ○ (الزمر:۱۔۲)

''تو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیں اُسی کیلئے اپنی بندگی کو خالص رکھتے ہوئے لوگو سن لو خالص بندگی اللہ ہی کیلئے ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَادْعُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ○ (مومن:۱۴)

''تو اللہ کی عبادت کرو اُسی کیلئے اپنی بندگی کو خالص رکھتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ (الزمر:۱۱)

''آپ فرمائیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اُسی کیلئے اپنی بندگی کو خالص رکھتے ہوئے''۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِيْ ○ (الزمر:۱۴)

''فرما دیجئے میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں اُسی کیلئے اپنے دین کو خالص رکھتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○

(مریم:۵۱)

''اور (اے حبیب) کتاب میں موسیٰ کو یاد کیجئے بے شک وہ چنے ہوئے تھے اور رسول تھے''۔

یوں تو اس ضمن میں قرآن کی بیسیوں آیات لائی جا سکتی ہیں لیکن بخوف طوالت انہی مذکورہ آیات پر قناعت کی گئی ہے۔

صدق

دوسرا اصول:

صدق کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُونُو مَعَ الصَّادِقِیْنَO (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو''۔

اللہ پاک فرماتے ہیں:

فَلَوْ صَدَقُوْا اللّٰہَ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْO (محمد:۲۱)

''تو اگر وہ اللہ سے سچے رہتے تو ضرور اُن کیلئے بھلا ہوتا''۔

نیز فرمایا:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِO (احزاب:۲۳)

''جنہوں نے سچا کر دیا اُس عہد کو جو اللہ سے کیا تھا''۔

اللہ پاک نے فرمایا:

وَاذْ کُرْفِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدO (مریم:۵۴)

''اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کیجئے بے شک وہ وعدے کے سچے تھے''۔

لِیَسْئَلَ الْصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِھِمْO (احزاب:۸)

''تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے''۔

قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر صادق مرد اور صادق عورتوں کا ذکر آیا ہے۔

وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِO (احزاب:۳۵)

''اور سچے مرد اور سچی عورتیں''۔

صبر

تیسرا اصول:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْاo (ال عمران:۲۰۰)

''اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَo وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ
(النحل:۱۲۶،۱۲۷)

اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر بہت اچھا ہے صبر کرنے والوں کیلئے اور (اے محبوب) آپ صبر کریں اور نہیں آپ کا صبر مگر اللہ کی توفیق سے''۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَاo (الطور:۴۸)

اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًاo (مزمل:۱۰)

''اور صبر کیجئے کافروں کی باتوں پر اور انہیں خوش اسلوبی کیساتھ چھوڑ دیں''۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗo (الکہف:۲۸)

''اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ان لوگوں کیساتھ جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں''۔

وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَo (انفال:۴۶)

اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا

وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ۝ (البقرہ:۱۵۵)

''اور خوشخبری سنائیں ان صبر والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ نے بشارت کے لفظ سے صبر کرنے والوں کی فضیلت اور بزرگی کا اظہار فرمایا ہے۔ قرآن میں تاکیدی انداز میں بیشمار آیات موجود ہیں، جو صبر سے متعلق ہیں۔

تشریح

اخلاص، صدق اور صبر تینوں نام، مختلف معانی کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کا اثر تمام اعمال و وظائف میں جاری و ساری رہتا ہے۔ اعمال ان کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتے۔ جب کوئی شخص اعمال چھوڑ دیتا ہے تو بگڑ جاتا ہے یعنی اس کی روحانی و اخلاقی قوت انحطاط پذیر ہو جاتی ہے اور اس کے صادق اور بہتر بننے کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں۔ اخلاص، صدق اور صبر ایک دوسرے کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔ پس ان تینوں میں جب بھی کسی ایک اصل میں تعطل پیدا ہوگا، باقی دو از خود ناقص ہو جائیں گے۔

اعمال

اعمال میں سب سے پہلا درجہ اخلاص کا ہے۔ اخلاص کیا ہے؟ ذیل میں بتصریح ملاحظہ فرمائیں:

اللہ پہ ایمان لانا، اس کا زبان سے اقرار کرنا اور اس کی معرفت حاصل کرنا شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ لاشریک ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید:۳) ''وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن''۔ خالق و رازق بھی وہی ہے۔ زندگی و موت اسی کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وہی مرجع جملہ مقصودات ہے۔

اخلاص کے مفہوم میں یہ امور بھی شامل ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور آخری رسول و نبی تسلیم کیا جائے، جو کہ حقیقت کے داعی اور مامور من اللہ ہیں اسی طرح دیگر

انبیاء علیہم السلام کو سچا ماننا اور یہ اقرار کرنا کہ انہوں نے اپنے فرائض منصبی یعنی رسالت کے فرائض کو امانتداری اور پوری ذمہ داری کے ساتھ نبھایا اور فلاحِ انسانیت کے لئے انہوں نے ہر ممکن کوشش سرانجام دی۔

اخلاص میں یہ بات تسلیم کرنا بھی داخل ہے کہ جنت و دوزخ اور حشر و نشر برحق ہیں۔ ہمیں اللہ کی طرف ایک دن ضرور لوٹ کر جانا ہے۔ (وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب کرے گا)

یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ ○ (المائدہ:۱۸)

جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی تصدیق و توثیق ایک ایسا عقیدہ ہے جس کا ظاہری تعلق بلا شک وشبہ آپ کی زبان کے ساتھ ہے۔ اور آپ کا دل بھی ہر اس حقیقت کے بارے میں مطمئن ہے جس کی آپ نے تصدیق کی اور اقرار باللسان بھی کیا۔ بدیں طور مولا کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ ظاہر فرمایا اس کے بارے میں بھی آپ کو کسی قسم کے شک کرنے کی اجازت نہیں۔ یقیناً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مقصود الٰہی کے متضاد نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے تابعین و تبع تابعین رحمہ اللہ علیہم اجمعین میں سے آئمہ اسلام نے جو کچھ کہا من حیث المجموع وہ سچ ہی ہے۔ پھر ان علماء کی تصدیق بھی کرنی چاہئے جن کی اتباع ان کے ہم عصر لوگوں کی ایک کثیر جماعت نے کی تھی اور وہ محض ارادت باللہ کی خاطر اپنے خلوص کا اظہار فرماتے رہے۔ اگر آپ نے اس نہج پر حقائق کا پرخلوص اقرار کیا تو پھر آپ کا اسلام قبول کرنا (مسلمان کہلانا) ایمان لانا اور توحید کو ماننا اپنی کامل ترین صورت میں ہوں گے۔

۞

باب دوم

صدق کے فائدے

أ۔ صدق فی الاخلاص

صدق فی الاخلاص کا حکم اللہ پاک نے سورۂ کہف کی آخری آیت میں یوں دیا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْلِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَايُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝ (الکہف:۱۱۰)

"تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام اعمال وافعال، ظاہری و باطنی حرکات وسکنات الغرض ہر طرح سے اللہ کے ساتھ ارادت قائم رکھے۔ اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنے دل کی کڑی نگرانی کرے اور اپنے تمام کاموں میں اللہ کو مقصود واحد بنا لے۔ حتیٰ کہ اسے کسی خوشامد پرست کی خوشامد فریب نہ دے سکے اور نہ ہی وہ چاپلوسی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے۔ جب ایسے بندے کے اسرار ورموز، عامۃ الناس پر کھلتے ہیں جس سے اس کے قلب پر مثبت یا منفی اثرات مرتب ہونے لگیں تو وہ فوراً ناپسندیدگی کے انداز میں لوگوں سے پہلو بچاتا ہے اور ایسے لوگوں کی معاشرت کو قابل سکون سمجھتا ہے۔ اگر کوئی آدمی اس کی تعریف شروع کرتا ہے تو وہ اللہ کی حمد بیان کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ وہ غرور نہ کر سکے اور اس کے دوسرے محاسن ومحامد ظاہر نہ ہونے پائیں۔

البتہ ایسا مخلص انسان اللہ کا وہ بندہ ہے جو اپنے اعمال کو بے کار خیال کرتے ہوئے خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتا رہتا ہے۔ وہ لوگوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کے علاوہ اپنے

برے خیالات کے سبب بھی خدا کے حضور سراسیمہ و نادم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے قبیح افعال اور خیالات فاسدہ کو خدا ضرور جانتا ہے۔ اسے خدشہ رہتا ہے کہ مبادا اس کے خیالات اس کی ظاہری کیفیات سے بدتر ہو جائیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

''دل کی مخفی بات جب ظاہر سے قبیح تر ہو تو اس کا نام جوَر ہے۔ جب ظاہری و باطنی حالتیں یکساں ہوں تو اسے عدل کہتے ہیں اور باطن جب ظاہر سے افضل ہو جائے تو اسے فضل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ [1]

بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنی ریاضت و عبادت کو اس قدر پوشیدہ رکھے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اسے کوئی نہ جانتا ہو کیونکہ چھپ کر عبادت کرنے سے انسان بہت جلد خدا کی رضا حاصل کر لیتا ہے، ثواب و اجر بھی زیادہ ملتا ہے۔ نور سلامت آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ دشمن کی تمام تر تدابیر کمزور پڑ جاتی ہیں اور بندہ ہر قسم کی آفتوں سے دور رہتا ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۶۱ ہجری) فرماتے ہیں:

''مجھے اپنے ظاہری اعمال کی کچھ پرواہ نہیں''

ایک حدیث میں مروی ہے کہ:

''عملِ باطن، ظاہری عمل سے ستر درجہ فضیلت رکھتا ہے''

اور یہ بھی روایت ہے کہ:

''بندہ تنہائی میں چھپ کر اگر کوئی ایسا فعل انجام دیتا ہے جس کی بدولت شیطان اس سے بیس سال تک الگ ہو جاتا ہے۔ مگر ایک وقت میں وہ خود شیطان کو بلاتا ہے یعنی لوگوں کو اپنے خلوت کے عمل سے مطلع کر دیتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا وہ عمل دیوان السِرّ (خلوت کے اعمال کے دفتر) سے دیوان

---

[1] جامع العلم والحکم: ابن رجب حنبلیؒ

علانیہ (جلوت کے اعمال کے دیوان) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے عمل کا ثواب گھٹ جاتا ہے اور اس کی فضیلت بھی کم ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنے خلوت کے اعمال کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان زد خاص و عام ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ لوگوں سے اپنے اعمال کا تذکرہ سن کر خوشی محسوس کرتا ہے بندہ کا یہ عمل سراپا ریاء ہو جاتا ہے''۔

مذکورہ بالا تمام صفات اخلاص کی ضد ہیں اور اخلاص کے بارے میں جو کچھ ہم نے ذکر کر دیا ہے اس کی معرفت حاصل کرنا اور اسے اپنا معمول بنانا ہر ایک کے لئے بہت ضروری ہے۔

ایک انسان جب مذکورہ بالا تینوں اصولوں کا اچھی طرح پابند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے اخلاص میں ترقی ہونے لگتی ہے۔ مجھے یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور سے کوئی امید وابستہ نہ کرے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی کا خوف اپنے دل میں رکھے، اسے اپنی ظاہری اور باطنی تطہیر کا فریضہ انجام دیتے رہنا چاہئے۔ اگر کوئی اس سے ناراض ہو تو اس کی بلا سے، اس کے لئے اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰہِ بہترین حکمت عملی ہے۔ اور وہ کسی کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے۔

اخلاص کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ بھی لکھا جا سکتا ہے تاہم طالبوں کے لئے کافی حد تک اخلاص کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

۲۔ صدق فی الصبر اور صبر کے تین معانی

صبر کا اطلاق ظاہری اور باطنی دونوں معانی پر ہوتا ہے۔

صبر کے ظاہر معانی تین ہیں:

(i) امن و عافیت ہو یا مصائب کے پہاڑ، انسان خوش گوار ماحول میں جی رہا ہو، یا ماحول کے ہاتھوں جینے سے بیزار، اسے چاہئے کہ وہ صبر کو نہ چھوڑے بلکہ استقامت کے ساتھ

طوعاً کرہاً حقوق اللہ کی ادائیگی کرتا رہے۔

(ii) اللہ نے جن افعال کے ارتکاب سے منع کر دیا ہے ان سے مجتنب رہے اور اپنے نفس کو کسی ایسی خواہش کا غلام نہ بننے دے، جو خدا کی رضا کے خلاف پڑتی ہو۔ بندگان خدا پر فرض ہے کہ وہ صبر کے مندرجہ بالا دونوں مقتضیات کو پورا کرتے رہیں۔

(iii) انسان صبر استقامت کے ساتھ عبادات اور نیکی کے دیگر کام سرانجام دے تاکہ اسے قرب الٰہی مل سکے۔ اور اجر وثواب بھی میسر ہو، اس مضمون کی ایک حدیث قدسی بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

"نوافل کی کثرت سے بندہ میرے قریب اس قدر ہو جاتا ہے کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔[1]

صبر کا چوتھا مفہوم

یہ ہے کہ آدمی لوگوں کی ہر سچی بات اور درست تنقید کو خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ اگر وہ کوئی نصیحت کریں تو سرِ تسلیم خم کر دے کیونکہ ہر سچی بات اللہ جل شانہٗ کا ایک قاصد ہے جسے وہ اپنے بندوں کی طرف روانہ فرماتا ہے۔ لہٰذا حق بات کی تردید ایک انسان کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں اور جس نے حق کو قبول نہ کیا بلکہ اسے مسترد کر دیا تو پھر خدا اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا۔

مندرجہ بالا چاروں مفاہیم صبر کے ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں صبر ظاہر مخلوق پر واجب ہے اس سے عدم واقفیت انسانوں کے لئے سم قاتل ہے کیونکہ خلق خدا کے لئے ظاہری صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ہم نے حقائق صبر (اس کے باطنی معانی) اس کی عرض وغایت کو کھول کر بیان نہیں کیا

---

[1] بروایت اُبوذر غفاری رضی اللہ عنہ بحوالہ Essai صفحہ ۱۰۶ تالیف میسکنان اور بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی حدیث ریاض الصالحین کے الباب فی المجاہدہ صفحہ ۶۰ پر۔

اس کی حقیقی معرفت ان لوگوں کے لئے ضروری ہے جو صبر کے مذکورہ بالا احکامات پر پابندی سے عمل کرنے کے بعد صابرین کی صف میں شامل ہو چکے ہوں۔

پھر میں (ابوسعید خراز) نے اس عارف سے یہ سوال کیا:

''صبر بذاتِ خود کیا شے ہے؟ اور قلب انسان میں اس کے موجود ہونے کا احساس کیوں کر ہو سکتا ہے؟''

اُس عارف نے فرمایا: ''صبر بذاتِ خود ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت انسان ہر اس چیز کو برداشت کر لیتا ہے، جو اس کے نفس پر شاق گزرتی ہو۔ اور صبر کی موجودگی کا قلب میں اس طرح احساس ہوتا ہے کہ نفس پر گران گزرنے والے واقعہ کو انسان نہ صرف برداشت کرے، بلکہ اس کا نفس اس کی تلخی کو آبِ خوشگوار سمجھ کر پی جائے اور کسی قسم کے جزع وفزع کا نہ تو اظہار کرے اور نہ لوگوں کے سامنے اس کا شکوہ آمیز تذکرہ کرتا پھرے، بلکہ نفس پر جو مصیبت آئے اسے چھپائے رکھے۔ کیونکہ حدیث پاک میں مروی ہے:

''جس نے کسی امر ناگوار کی تشہیر و تذکیر کی اس نے شکوہ کیا''۔

کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا؟

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۝ (آل عمران: ۱۳۴)

''اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے''۔

کیا یہ درست نہیں کہ جب ایک آدمی خلاف طبع اور نفس پر ناگوار و گراں گزرنے والے حادثہ پر اپنے غم و غصہ کو پی جاتا ہے اور اس کو برداشت کر لیتا ہے تو وہ صابر ہو جاتا ہے، اور اس کے برعکس جو شخص ذرا سی کراہت آمیز بات پر جزع فزع شروع کر دے وہ صبر کی حدود کو پھلانگ جاتا ہے۔

ابوسعید خراز فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے یہ پوچھا کہ وہ کون سی شئے ہے جس سے صبر کرنے والے کی عزیمت صبر کو تقویت پہنچتی ہے اور وہ صبر میں کس طرح کامل ہو جاتا ہے؟

اس عارف نے جواب دیا: حدیث پاک میں آتا ہے کہ "ناگوار باتوں پر صبر سے کام لینا، یقین کی عمدگی کا دوسرا نام ہے۔"

یہ بھی روایت ہے کہ:

"صبر نصف ایمان اور یقین کُل الایمان ہے"

انسان جب اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو برحق تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے دل میں ہر اس کام کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے جس کے کرنے پر اللہ پاک نے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور ہر اس فعل کے ارتکاب سے ڈرتا ہے جس کو کر لینے پر اللہ پاک نے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس پر انسان خوفناک عذاب سے بچنے کے لئے اچھے کاموں کی طرف رغبت کرنے لگتا ہے اور اعمال صالحہ سرانجام دینے کا عزم صمیم کر لیتا ہے۔ اس کی انتہائی خوشی اسی آرزو میں ہوتی ہے کہ اُسے فلاح دارین مل جائے۔ وہ اچھائی کی طلب میں برائی سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا حتیٰ کہ اس کے دل پر امید و بیم ایک ساتھ آ کر فروکش ہو جائیں گے۔ اس کی لگام اس کے اپنے ہاتھ میں اور وہ زمانہ کے تلخاب و شیریں کو مسکراتے ہوئے پی جائے گا، اس کے عزائم میں پختگی آ جائے گی اور وہ ہر اس کام سے حذر کرے گا جو اس کی عزیمت کے لئے ذرہ برابر بھی نقصان دہ ہے۔ قلب انسان کی اس کیفیت کا نام صبر ہے۔

۳۔ صدق فی الندامۃ

صدق کے متعدد معانی ہیں۔ صدق کا ایک مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا کے حضور خالص توبہ کا ارادہ لئے ہوئے بصد عجز و انکسار حاضر رہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًاؕ ۝ (التحریم:۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔

وَتُوبُوٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّھَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ٥

(النور:۳۱)

اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالۡمُھٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ ٥ (سورہ توبہ:۱۱۷)

بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر۔

توبہ کے لئے چند ضروری آداب بھی ہیں۔ مثلاً

۱۔ تائب ہونے والا انسان احکام الٰہیہ کی انجام دہی میں جو افراط و تفریط کر چکا ہے۔ پہلے اس پر نادم ہو۔

۲۔ پھر وہ خدا کے حضور یہ عزم صمیم کرے کہ وہ آئندہ ایسا کوئی کام نہ کرے گا جو اللہ عزاسمہٗ کو ناپسند ہو اور وہ ہمیشہ استغفار کرتا رہے گا۔

۳۔ لوگوں کے جان و مال کے نقصان کی تلافی بھی کرتا رہے گا اور خدا اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف بدستور کرے گا اور آئندہ کے لئے خوف خدا آخرت کا غم اور آتش دوزخ کا ڈر اس کے دل میں آباد رہے گا۔ تاکہ اس کے دل میں یہ گمان تک نہ پیدا ہو کہ اُس نے اپنے اخلاص کی تکمیل و تصحیح میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ بلکہ اسے پیہم یہی فکر و امن گیر رہے کہ شاید خدا نے ابھی اس کی توبہ قبول نہیں کی تاکہ وہ جس عمل سے توبہ کر رہا ہے اُس سے پوری طرح بیزار ہو جائے۔

۴۔ اس کے علاوہ توبہ کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے کبھی بھی اس قدر بے خوف نہیں ہونا چاہئے کہ اُسے اس کام کی پرواہ تک نہ رہے جس کا ارتکاب خدا کے غضب کی آگ کو بھڑکا دے۔

حسن بصری[1] رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اسی مفہوم کے ساتھ مروی ہے۔فرماتے ہیں:

''مجھے یہی خوف لاحق رہتا ہے کہ مبادا میرا کوئی عمل خدا کو پسند نہ آئے تو وہ فرما دے کہ اب تو جو چاہے کئے جا میں تجھے بخشونگا نہیں''۔

آپ ہی سے ایک اور روایت ہے۔فرماتے ہیں:

''مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کہیں داخل جہنم نہ کر دے اور وہ ہے بھی بے پرواہ''

ابو سعید خراز فرماتے ہیں! میں نے سنا ہے کہ ایک عالم کی کسی آدمی سے سرِراہ ملاقات ہوگئی۔تو اُس نے اس آدمی سے پوچھا ''کیا تم توبہ کر چکے؟'' وہ کہنے لگا،''ہاں!'' اس عالم نے کہا ''کیا تیری توبہ قبول ہو چکی؟'' اُس آدمی نے عرض کی ''میں نہیں جانتا'' عالم نے اُسے فرمایا ''چلے جایئے۔کیونکہ میں جانتا ہوں (کہ میری توبہ قبول ہے یا نہیں) وہ آدمی کہنے لگا،غم زدہ ماں کا غم تو مٹ سکتا ہے لیکن توبہ کرنے والے کا حزن و ملال ڈھل نہیں سکتا۔

سچی توبہ کے تقاضے

۱۔ سچی توبہ اس امر کی مقتضی ہے کہ توبہ کرنے والا اپنے ان تمام اعزۂ احباب کی سوسائٹی چھوڑ دے جن کی صحبت اسے یادِ خدا سے غافل بناتی ہے اور جب تک وہ رجوع الی اللہ نہ کریں ان سے دور بھاگتا رہے اور انہیں اپنا دشمن ہی خیال کرے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ؕ (الزخرف:۶۷)

''قیامت کے روز پرہیزگاروں کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے''

۲۔ توبہ کرنے والا خالص توبہ کے لئے اپنے دل سے گناہ کا خیال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دے۔

---

[1] مشہور صوفی بزرگ المتوفی ۱۱۰ ہجری

۳۔ اور جن بیہودہ مشاغل کو چھوڑ کر وہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے ان کی ہلکی سی خواہش بھی دل میں لانے سے حذر کرے۔

خدائے پاک کا ارشاد ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ٥ (الانعام:۱۲۰)

''اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ''

''واضح رہے: کہ مومن کا دل جس قدر پر سکون ہوتا چلا جائے گا، اور اسے جتنی زیادہ معرفت الٰہی نصیب ہوگی اسی قدر اس کا جذبۂ ندامت بھی بڑھتا چلا جائے گا''۔

کیا تو نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نہیں سنا:

''میرے مقامات کی سیر بعض اوقات رک جاتی ہے تو میں استغفار کرنے لگتا ہوں اور میں ہر روز ستر بار خدا کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

پس جب ایک آدمی کا دل گناہوں سے پاک ہو گیا اور اس میں نورانیت بھی بھر گئی تو مخفی سے مخفی آفات بھی اس کے قلبی سکون کو مسمار نہ کر سکیں گی اور نہ ہی کسی لغزش کا ارادہ ہی اس کے دل میں قساوت پیدا کر سکے گا جس کی بنا پر اسے دوبارہ توبہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔

❁

باب سوم

معرفتِ نفس اور ضبطِ نفس میں صدق کا کردار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۝ (النساء:۱۳۵)

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کیلئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا۔

قصۂ یوسف (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ضمن میں اللہ پاک حضرت یوسف کا یہ جملہ بیان فرماتا ہے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۝

(یوسف:۵۳)

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (النّٰزعٰت:۴۰،۴۱)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

''تیرا سب سے بڑا دشمن، تیرا اپنا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے، پھر تیری بیوی، تیری اولاد اور اس کے بعد تیرے قریبی رشتے دار ہیں''۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ:

''انسان کے اندر پیدا ہونے والے برے خیالات اور لغو آرزوئیں اور چیخ وپکار، کل خدا کے حضور اس کی ذمہ داری قبول کریں گی'' صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی'' ان خیالات، چیخ وپکار اور فاسد توہمات کی آماج گاہ جسم کا کون سا حصہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' تمہارے دل جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہیں''۔

اور بارگاہِ ایزدی میں سچے قصد سے حاضر ہونے والے کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نفس کو اطاعت الٰہیہ کی طرف بلا رہا ہے اور خوشنودی یزداں طلب کر رہا ہے۔ اگر اس کا نفس اس کی دعوت پر لبیک کہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتا ہے اور یوں وہ اپنا بھلا ہی کرتا ہے۔

اس قسم کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ:

آپ ایک دفعہ زمین پر ایک چیز بکھیر رہے تھے پھر بار بار اس کو بکھیر کر جمع کر لیتے کسی نے آپ سے سوال کیا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا کر رہے ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''میں اپنے نفس کی تہذیب و تربیت کر رہا ہوں''۔ اس میں یکسانیت پیدا کر رہا ہوں۔ اگر میں اس کے ساتھ یہ حسن سلوک نہ کروں تو یہ میرے گناہوں کا بوجھ کیوں کر برداشت کر سکے گا (یا اعمالِ صالحہ میں کہاں تک میرا ساتھ دے گا)۔[1]

اگر انسان کا نفس کوئی ایسا کام کرنے پر تیار نہ ہو جس سے خدا خوش ہوتا ہو اور وہ محسوس کرے کہ اس کا نفس سستی سے کام لے رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی محبوب ترین

خواہشات برابر پامال کرتا چلا جائے اور اس کی ہر آرزو کی مخالفت کرے، اپنے نفس سے محض اللہ کی خاطر عداوت رکھے اور اس کے خلاف اللہ کی جناب میں شکایت بھی کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نفس کی اصلاح ہو جائے یا یہ خود اپنی اکتسابی کوششوں سے اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

انسان کو چاہئے کہ اپنے نفس کی مخالفت کے لئے اس کے ساتھ نرم روی اور حسن سلوک اختیار کرنے کی کوئی ذمہ داری قبول نہ کرے بلکہ وہ اپنے نفس کے عیوب بار بار یاد کرتا رہے اور پھر ان کی مذمت کرے اور یہ بھی دیکھ لے کہ جن اعمال کو وہ خود کرنا یا چھوڑ دینا چاہتا ہے اس کے نفس کا اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟

ایک عارف کا قول ہے:

''میں جانتا ہوں کہ میرے نفس کی اصلاح اسی میں مضمر ہے کہ مجھے یہ علم ہو کہ میرا نفس کہاں تک فساد پسند ہے اور کتنا گنہگار ہے۔ جب ایک آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے نفس میں فلاں عیب موجود ہے اور وہ اس کی اصلاح نہیں کرتا تو اس کا یہ رویہ اس کو گناہ گار بنانے کے لئے کافی ہے جبکہ وہ توبہ کی طرف بھی مائل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا''۔

ایک اور عارف کا قول ہے:

''جب تو اپنے نفس کی مذمت اور اس کو ملامت کرنے میں سچا ہے، پھر اگر کوئی دوسرا آدمی تیرے اس فعل بد کی مذمت بیان کرے جو واقعۃً تیرے اندر موجود ہے تو غصہ میں نہ آجاتا''۔

یعنی اے بندے! اگر تیرا نفس تجھے کسی شہوانی کیفیت میں ملوث کرنا چاہتا ہے یا تیرے دل میں کسی ایسی شے کی طلب پیدا ہو جائے جو محرمات سے ہے اور تیرا دل اس کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر کر رہا ہے تو پھر تو اسے اس طرح جھڑک جس طرح ایک اصلاح کن جھڑکتا ہے اور اسے ایسی لغو آرزوؤں سے اس طرح باز رکھ کہ تیرا نفس گویا تیرے ہاتھوں

مجبور ہو کر رہ جائے۔ نیز تیرے لئے نفس کو مسرتوں سے بیگانہ کرنے اور لذات کی حرص سے، اسے روکنے میں بزرگانِ سلف کے طریقوں کو اپنانا بھی مفید ثابت ہوگا۔

اے بندے! جس چیز کے بارے میں تیری روح یا نفس تجھ سے منازعت کرتے ہیں اس کی دو صورتیں ہیں:

اول: وہ چیز حرام اور غیر قانونی ہے جس کے ارتکاب سے تو عذاب کا حقدار بن جائے گا۔

دوم: وہ چیز حلال ہے یعنی قانوناً اس کے استعمال کی اجازت ہے تو پھر قیامت کے دن تجھے اس کے حساب میں سوال و جواب کے لئے خدا کے حضور دیر تک کھڑا ہونا پڑے گا۔

جو لوگ حرام کو چھوڑ دیتے ہیں وہ اللہ کی جلالت کو تسلیم کر لیتے ہیں اور وہ حلال کو بڑی بے باکی اور خوشی کے ساتھ بے رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔

اے ابو سعید خراز! آپ اپنے نفس کو ان دونوں حالتوں سے بچائے رکھیں کیونکہ جس نے اپنے طفلکِ نفس کو زنِ دنیا کا دودھ چھڑا دیا اُسے حورِ آخرت ملے گی اور جس نے آخرت کو اختیار کر لیا اور اسے اپنی ماں کی طرح سمجھا تو وہ اس کی آغوش میں چلے جانے کو ضرور پسند کرے گا۔ جب کہ ابنائے زمانہ دنیا کے ساتھ اس طرح محبت کر رہے ہوں گے جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے لاڈ کرتا ہے۔ دنیا کے ساتھ وہ بہ حسن سلوک پیش آئیں گے اور انہیں دنیا کو خوش کرنے کے لئے لاکھ جتن کرنا پڑیں تو بھی پیچھے نہ ہٹیں گے۔ جو لوگ اس دارِ فنا کو عقبیٰ پر ترجیح دیتے ہیں ان کی محبت کو تو اپنے دل سے باہر نکال پھینک۔ مزید یہ کہ تو ان کو بھی دنیا کی بے جا محبت ترک کرنے کا دوستانہ مشورہ دے اور بصورت دیگر انہیں کثرت محبت دنیا کے نتائج بد سے متنبہ کرتا رہ تا کہ ان کے دل میں عقبیٰ کی محبت پیدا ہو جائے۔

اے ابو سعید خراز ہوشیار رہ! مبادا آپ بزرگان سلف اور پیشوایان طریقت سے پیچھے رہ جائیں، اپنے نفس کا محاسبہ انتہائی خلوت میں کریں اور اپنے احباب و رفقاء کو بھی ایسا کرنے پر آمادہ کریں کیونکہ پیش رُوؤں کا یہی شعار تھا کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے نفس کے شیر

پر سواری کی، اسے رام بنائے رکھا، اور وہ نفس کے خلاف جہاد کرنے میں ہمیشہ کمر بستہ اور چاق و چوبند رہے۔ انہوں نے اپنی ظاہری حالت کی کچھ پرواہ نہ کی، نہ یہ خیال کیا کہ سر ننگا ہو گیا اور پنڈلیاں کھل گئیں، بلکہ وہ مسلسل اپنی منزل (عقبیٰ) کی طرف دوڑتے رہے۔ آخرِ کار اُنہوں نے اپنی منزل مقصود کو جالیا اور وہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے نشاط ابدی حاصل کرنے میں تیزی اور ہنر مندی سے کام لیا اور جن اسرار کی پردہ کشائی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کر دیا تھا ان کو فاش کرنے میں وہ ہمیشہ اپنے اللہ سے ڈرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو چیز ان کے لئے مباح کی حد تک جائز کردی تھی انہوں نے ہمیشہ اسے بھی رفض (بدعت) خیال کرتے ہوئے چھوڑے ہی رکھا۔ اُنہوں نے ترک حرام کو امر تعبدی (فعل عبادت) جانا اور محض قرب الٰہی کے خیال سے انہوں نے حلال چیزوں کو بکثرت استعمال میں لانا بھی چھوڑ دیا، انہوں نے شب بیداری اختیار کی۔ پیاس کی حدت کو برداشت کیا ہمیشہ تھوڑی ہی چیز پر قانع و راضی رہے حتیٰ کہ حرص و ہوا اور لالچ کی عادت ہی بھول گئے۔

ابلیس کی پہچان کرنے میں صدق کی سرگرمیاں

اللہ پاک فرماتے ہیں:

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ إِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۭ ○ (الفاطر:۶)

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں''۔

ربِ جلیل کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ○

(الاعراف:۲۷)

''اے آدم کی اولاد! خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا''۔

اللہ پاک کا مزید ارشاد ہے:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ o (العنکبوت:۳۸)

''اور شیطان نے ان کے عمل ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہ سے روکا''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''فرشتے کی بھی ایک آواز ہے اور شیطان کی بھی، فرشتے کی صدا نیکی کی خوشخبری لے کر آتی ہے اور شیطان کی پکار برائی کی دعوت دیتی ہے''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ:

''شیطان قلب انسان میں نئے نئے وسوسے پیدا کرتا ہے، جب انسان یاد الٰہی کرتا ہے تو وہ چپکے سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب یہ ذکر خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان فوراً اس کے دل میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے''۔

لہٰذا آپ کو آگاہ رہنا چاہئے کہ قلبی عزیمت کے ساتھ آپ اپنی نفسانی خواہشات کی پوری طرح مخالفت کرتے ہوئے اپنے دل سے شیطانی اثرات کی بیخ کنی کر دیں۔ کیونکہ افراط وتفریط اور اعمال بد کی دل کشی شیطان کے دو بہترین مددگار ہیں مگر آپ کے دشمن، جن کی بدولت اس کا وار بڑا کاری ہوتا ہے۔ اگر آپ افراط وتفریط کا شکار ہونے لگیں تو فوراً اپنے ہوش وحواس درست کر لیں، غور اور فکر وتدبر کی روشنی میں جو فعل بہتر معلوم ہو اور صحیح علم بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے تو آپ اس کو اپنا لیں اور ہر قسم کی باطل شئے اور حرص وہوا کو اپنے دل سے فوراً محو کر دیں۔ خطرے کی حالت میں امتداد وطوالت نہیں پیدا کرنی

چاہئے[1]۔ کیوں کہ خدشہ ہے کہ شہوت نفسانیہ کہیں دوبارہ غلبہ کر جائے۔ ورنہ یہ شہوت ایک مضبوط ارادے کی صورت میں ظاہر ہو کر آپ کو کسی نہ کسی فعل مکروہ کا مرتکب ضرور بنا دے گی۔

اے ابوسعید خراز! آپ جان لیں کہ آپ کا دشمن ابلیس ہے جو گفتگو اور خاموشی کے وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے اور کبھی غافل نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، خواہ آپ نماز میں ہوں یا روزے سے، سخاوت کر رہے ہوں یا حیلہ جوئی سے کام لے رہے ہوں، سفر میں ہوں یا حضر میں، خلوت میں ہوں یا جلوت میں، منقبض ہوں یا حالت انبساط میں، لوگوں سے چھپ کر رہیں یا ان کے رُوبرو، غمناک ہوں یا سرور وشادماں، تندرست ہوں یا بیمار، کسی سوال کا جواب دے رہے ہوں یا کسی سے کچھ مانگ رہے ہوں، آپ دانائی کا مظاہرہ کریں یا جہالت کا (خدا سے) آپ کو قرب ہو یا ہنوز آپ اس کے قرب سے محروم، حرکت میں ہوں یا سکون میں، توبہ کر رہے ہوں یا گناہوں پر اصرار کر رہے ہوں (وہ ہر وقت آپ کے ساتھ ہے) وہ لحہ بھر کے لئے بھی آپ سے غافل نہیں ہے۔

شیطان آپ کے عزم صادق کو کمزور کرنے اور آپ کی نیت میں فتور ڈالنے کے لئے اپنی تمام تر کوششیں صرف کر رہا ہے، اور اس سلسلے میں وہ کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کر رہا۔ اس کی انتہائی خواہش یہی ہے کہ آپ توبہ میں تاخیر وسستی سے کام لیں اور نیکی کے

---

[1] تصوف میں یہی استدامہ توقف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں سالک کے لئے خطرہ ہی خطرہ ہے۔ بچاؤ کی صرف دو ہی صورتیں ہیں (۱) تمام وظائف چھوڑ کر استغفار پڑھے۔ (۲) سابقہ منزل پر لوٹ جائے۔ فقہی امور میں بھی یہی حکم ہے کہ جب پتہ چل جائے کہ فلاں فیصلہ غلط ہوا ہے تو دوبارہ صحیح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی فرمایا تھا کہ "وَمُرَا جَعَۃُ الْحَقِ خَیر" مِنَ التَّمَادِی فِی الْبَاطِلِ باطل پر اڑے رہنے کی بہ نسبت حق کی طرف لوٹ آنا بہت اچھا ہوتا ہے۔

کاموں میں ہمیشہ ٹال مٹول کرتے رہیں۔ وہ آپ کے تعلق کو نیکی اور بھلائی سے منقطع کرنے کے ارادے سے آپ کو ہر اس کام کو بہ تعجیل کر گزرنے کا حکم دیتا ہے جس میں تاخیر کرنا نقصان دہ نہ تھا۔

پھر شیطان آپ کو نیکی و طاعت کے کاموں میں مشغول دیکھ کر آپ کے ذہن کو دنیاوی حاجات کی طرف بھی منتقل کر دینا چاہتا ہے تاکہ آپ جو جو کام کر رہے ہیں اُن سے فوراً بے تعلق ہو جائیں اور یوں بھی ہوگا کہ شیطان آپ کو اس وہم میں مبتلا کرنے کی شرارت کرے گا کہ آپ جس شہر میں پہلے سے مقیم ہیں اس کی نسبت دوسرا شہر افضل ہے۔ اس قسم کے وسوسہ سے شیطان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ آپ کے دل کو بھول بھلیوں میں ڈال دے اور ترک سکونت کے بعد جو فضیحت و ندامت آپ کو اُٹھانی پڑے گی اس کے ذریعہ سے وہ آپ کو لوگوں کی نظروں میں گرا دے۔

اے سائل (ابوسعید خراز)! اپنے دشمن سے بچنے کے لئے اپنے آپ کی کڑی نگرانی رکھیں۔ اپنے دشمن (شیطان) سے بچ کر اللہ کی جاہ میں خود کو محفوظ کر لیں کیونکہ اللہ کی پناہ اَشَدُّ الْاَرْکَانِ یعنی مضبوط ترین قلعہ ہے اور سب سے زیادہ محفوظ بھی۔ اللہ ہی کو اپنا ملجاو ماویٰ سمجھیں اور غصہ اور تیزیٔ طبع کے وقت اپنے دشمن (کے شر) سے بچ کر رہیں۔ کیونکہ جب آپ اپنے بھرے ہوئے غضب کے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوئے اور اس کو برابر یاد کرتے رہے اور آپ نے یہ بھی یقین کر لیا کہ خدا تعالیٰ آپ کے اعمال کا شاہد ہے تو پھر آپ اپنے مراقبۂ الٰہی (خوف خدا) کے ذریعے اپنی حمیت و غیرت اور غصہ کی آگ کو بجھا بھی سکیں گے۔ بشرطیکہ غصہ کی حالت میں اس خیال سے کہ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے آپ ایسا فعل انجام دینے سے باز رہے جو خدا کے غضب ناک ہونے کا باعث تھا۔ لیکن شیطان آپ سے آپ کی اس اعصابی فتح کا بدلہ لینے کے لئے پیہم کسی نہ کسی موقع کی تاک میں ضرور رہے گا۔

تیزیٔ طبع کے وقت جب آپ غضبناک اور مغلوب الحال ہونے سے بچ گئے تو پھر

شیطان کے اس قول کو کبھی نہ بھولنا:

''حدت طبع، بندگانِ خدا کا فطری تقاضا ہے۔ ہم ان کی حدت طبع سے مایوس نہیں خواہ اس کی دعا سے مردے زندہ ہونے لگیں۔ کیونکہ ایک ایسا موقعہ ہمیں ضرور ہاتھ آئے گا جب کہ انسان کی طبیعت میں تیزی پیدا ہوتے ہی ہم اس کو وہاں پہنچا دیں گے جہاں ہم چاہیں گے

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ (ال عمران:۱۰۱)

''اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا''

صدق فی الورع

ہر قسم کے شک وشبہ سے اپنے نفس کو پاک کر لینا اور مشتبہ امور کو یک قلم ترک کر دینا صدق فی الورع کہلاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''آدمی اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ حرج نہ پیدا کرنے والی اشیاء کو اس خوف سے نہ ترک کر دے کہ مبادا ان سے حرج واقع ہو جائے''

اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

''حلال و حرام دونوں واضح ہین۔ اور ان کے مابین مشتبہ امور ہیں۔ جو ان سے بچا رہا (اس خوف سے کہ وہ فعل حرام نہ کرے) اس نے اپنی عزت نفس کو بچا لیا۔ اور اپنے بدن اور روح کی تطہیر کر کے اپنے دین کی حفاظت کر لی''

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مجھے دین میں ورع سے زیادہ آسان کوئی دوسری شئے نظر آتی ہی نہیں جس قول یا فعل میں مجھے شک یا تردد ہو میں اسے فوراً چھوڑ دیتا ہوں''۔

فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''لوگ کہتے ہیں ورع ایک کٹھن اور دشوار گزار راستہ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ تو مشکوک اور مشتبہ اشیاء کو چھوڑ کر، غیر مشتبہ کو اختیار کر لے، جو چیز حلال وطیّب ہو اسے لے لے اور حلال اور صفا پیدا کرنے والی چیزوں کی طلب میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ ○ (المؤمنون:۵۱)

''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تمہاری دعا قبول کرے تو تم حلال کھایا کرو''

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!'' مومن کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ''جو ہر شام کو اس امر کا محاسبہ کرے کہ اس کی روٹی آج کہاں سے آئی ہے اور کیسی ہے؟''۔

حلال اور جلا بخش اشیاء کے استعمال کی کیفیت اور اس میں صدق کا عمل دخل

ابوسعید خراز! جب تجھے کوئی حلال شئے ملے تو تیرے صدق کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اپنی معرفت نفس کے اندازے کے مطابق تُو اس سے اس قدر لے، جس کے بغیر تیرا گزارا ناممکن ہو اور اس معاملہ میں تو اپنی نفسانی خواہشات کے رجحان پر سخت نگرانی رکھ۔ نیز تو اپنے نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال ورنہ یہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کی لامحدود خواہشات کی پیروی بھی نہ کر۔ حلال چیز سے صرف اتنی مقدار میں تصرف کر جو قوت لایموت بہ کا حکم رکھتی ہو اور نفس میں فتور نہ پیدا کر سکے۔ تجھے اپنے لباس وطعام اور رہائش

مکان کی تعمیر و آرائش پر بھی زیادہ رقم نہ لگانی چاہئے۔ فضول کاموں سے بچ اور قیامت کے دن ہونے والے حساب سے ڈر اور اس طویل قیام سے جو تجھے خدا کے حضور میں بروز قیامت کرنا ہوگا۔

اسی مضمون کی ایک اور روایت بھی ہے کہ:

ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''اے ابوالحسن! ہمیں دنیا کے بارے میں کچھ بتایئے'' آپ نے جواباً فرمایا:

''دنیا کی حلال اشیاء کا حساب و کتاب ہوگا اور حرام چیزوں پر عذاب''

جب ایک کمزور و ناتواں شخص کسی اچھی چیز کا مالک بن جائے تو اس چیز کو اپنی ذات یا کسی دوسرے ضرورت مند کے لئے رکھ لے۔ پھر اس کو معروف طریقے سے استعمال میں لائے یعنی اسے مستحقین میں خیرات کردے تو اس کے دل میں یہ خدشہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اسی چیز سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد صبر نہ کر سکے گا اور پہلے سے زیادہ افلاس و بے مائگی کی حالت دیکھ کر وہ جزع وفزع شروع کردے گا۔ اس پریشانی سے بچنے کے لئے اس کے دل میں اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کی خواہش کروٹ لیتی ہے اور اس کی یہ خواہش اللہ پر عدم توکل اور اس چیز کی طرف سے پیدا ہونے والی عدم طمانیت کی آغوش میں پروان چڑھتی ہے۔ اب چونکہ اس شخص کا بھروسہ اور سکون اسی شئے سے وابستہ ہو چکا ہے جو اس کے ذاتی قبضہ میں تھی اس لئے ذخیرہ اندازی کی طمع اس کے دل میں ایک قوی عزم کا روپ دھار کر رہے گی۔

میں نے اس عارف سے پوچھا کہ انبیاء علیہم السلام کس طرح مالدار اور جائیدادوں کے مالک بن گئے تھے؟ مثلاً داؤد علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام وغیرہم کافی مالدار تھے، ان کے پاس بڑی بڑی جاگیریں بھی تھیں۔ پھر ان کے بعد یوسف علیہ السلام زمین کے خزانوں کے مالک بنائے گئے اور آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد کے اکثر صلحاء مالدار رہے ہیں۔ بتائیں کہ ایسا کیوں ہے؟

اس عارف نے جواب دیا ''یہ بڑا وقیع اور اہم سوال ہے اور اس کے جواب میں کافی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جا سکتی ہے''۔

ہاں تو سنیے:

جان لیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور صلحاء عارفین جو ان کے بعد کے ہیں (اللہ ان سب پر راضی ہو) تمام کے تمام اللہ کی زمین پر اس کے امین ہیں جن کے سپرد اللہ کے اسرار ہیں اور وہ اس کے اوامر و نواہی، اس کے عطا کردہ علم اور اس کی ودیعت کی ہوئی چیزوں کے امین ہیں اور محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے فیضان کے سبب اس کے حرام و حلال کی معقول توجیہہ کا حقیقی ادراک میسر ہے اور اس امر کا صحیح انکشاف بھی اُنہوں نے کرلیا ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کو اور دوسری مخلوقات کو کس غرض سے بنایا تھا اور اللہ ان سے کیا طلب کرتا ہے وہ اُنہیں ارادت کے کس مقام پر دیکھنا پسند کرتا ہے اور وہ اُنہیں کس بات کی دعوت دیتا ہے۔ ان سب لوگوں نے خدا کی محبت میں اس کے ساتھ موافقت پیدا کر لی یعنی اس کی رضا و مشیّت کو بھانپ گئے اور اس کے مطابق اللہ کی ہر آواز پر لبیک کہی اور اس کی رضا کے مطابق اپنی زندگی کے جملہ امور سرانجام دیتے رہے۔ ان کا مؤقف وہی رہا جو عقل مند لوگوں سے متوقع ہوسکتا ہے، اور وہ اللہ کے لطف خاص سے بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہیں خدا کے ہاں درجۂ مقبولیت مل چکا، اللہ کی وصیت و موعظت کی یاد ان کے ذہنوں میں ہمیشہ تازہ رہی۔ انہوں نے اللہ کی ہر بات کو کانوں کی کھڑکیاں کھول کر سنا اور یہی بہترین طریقہ بھی تھا جسے اپنا کر انہوں نے اپنے دلوں کو قُلُوْبٌ وَّعِيَةٌ (ایسے دل جو اچھی باتوں کو اپنے اندر محفوظ کرلیتے ہیں) کا مصداق بنالیا۔ وہ اللہ کی پکار سن کر اس کی طرف سرپٹ دوڑ پڑتے ہیں اور ایک قدم پیچھے کی طرف نہیں سرکتے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں:

اٰمِنُوْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ٥

''اے ایمان والو! ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر''

اور یہ بھی سنا کہ:

وَاَنْفِقُوْ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط o (الحدید:۷)

''اور اس کی راہ میں کچھ وہ خرچ کرو جس نے تمہیں اوروں کا جانشین کیا''۔

رب قدوس کا ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ o (یونس:۱۴)

''پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو''۔

لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ط o (البقرہ:۲۸۴)

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے''۔

اور یہ بھی فرمایا:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط o (الاعراف:۵۴)

''سن لو! اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا''۔

انبیاء صلحاء کی جماعت نے اللہ کے احکامات مذکورہ سنے اور یقین کرلیا کہ وہ اپنی جانوں سمیت اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جن کی عارضی ملکیت انہیں حاصل ہے بھی اللہ ہی کی ہیں کیونکہ وہی ان کا حقیقی خالق و مالک ہے۔ قطع نظر اس کے کہ انہیں (چند چیزوں کا عارضی مالک بنا دیا گیا اور اسی طرح) ان کو آزمایا گیا۔ انبیاء وصلحاء کو (خصوصی طور پر) دنیا میں صرف آزمائش و امتحان کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ آپ نے یہ آیت سنی:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا o

(الدھر:۱)

''بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اسکا نام بھی نہ تھا!''۔

تو اس کے بعد کے الفاظ

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ ○ (الدھر:۲)

''بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی مٹی سے کہ اسے جانچیں''۔

سننے سے قبل ہی بول اُٹھے ''کاش یہ بات پوری ہوچکتی!'' اور اس دوسری آیت کے بعد آپ کی زبان سے بے اختیار ھَمْ ھَمْ کے الفاظ صادر ہوئے۔ ''کاش یہ بات پوری ہوچکتی!'' اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ مراد تھی کہ کاش عمر پیدا ہی نہ ہوتا!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ان کی معرفت الٰہیہ کی ایک جھلک ہیں۔ نیز انہیں اللہ کے اوامر ونواہی کے علاوہ یہ بھی معلوم تھا کہ بندگان خدا کہاں تک احکام خداوندی کی اطاعت کر سکتے ہیں۔ اور اگر خدا کے مقابلہ میں کوئی حجت قائم کرتا ہے تو وہ اس میں عادل اور حق بجانب ہے کیوں کہ انسان میں بیشمار کوتاہیاں ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ لوگ اپنی زندگی کا اکثر وقت ضائع کر دیتے ہیں، زندگی کے موقعہ سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اس لئے وہ انہیں ڈرانے اور دھمکانے میں بھی سچا ہے۔

اس قسم کی ایک روایت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں سزا کے طور پر بھیجا۔ اور دنیا کو ان کے لئے قید خانہ بنا دیا جب کہ انہیں جنت سے حکم خروج دیا تا کہ تکالیف و آزمائش اور محنت و مشقت کی زندگی گزاریں''۔

حدیث پاک میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے:

''آدم علیہ السلام میں اللہ نے ابھی روح نہ پھونکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ اولادِ آدم علیہ السلام کیسی ہو گی؟

ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ ایک ابدال کا قول ہے:

''کاش اللہ آدم علیہ السلام کو پیدا ہی نہ کرتا''

کسی باعمل شخص کو حضرت حق سے ظاہری و باطنی قوت حاصل ہو جائے یا کسی اہل

صدق کو کچھ دنیاوی مفاد حاصل ہو تو یہ بات اس کے عقیدہ میں پہلے سے موجود ہوتی ہے کہ یہ جو کچھ فراہم ہوا ہے حقیقۃً اللہ کا ہے جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور اللہ کی یہ عطا، اس شخص کا حق بنتا تھا۔ اب اس کے ذریعے اس کی آزمائش ہوگی مگر وہ حق بات پر قائم رہے گا کیونکہ نعمت اس وقت تک آزمائش ہی ہے جب تک کہ بندہ نعمت کا شکریہ ادا کرنے کا عادی نہیں ہو جاتا اور اس نعمت کے نتیجہ میں اللہ کی اطاعت کے لئے اس سے مدد اور توفیق طلب نہیں کرتا۔ اسی طرح تکالیف و مصائب بھی آزمائش ہی ہیں جب تک کہ انسان صبر کی روش اختیار نہیں کرتا اور آزمائش کے وقت حقوق اللہ کی ادائیگی میں استقامت سے کام نہیں لیتا۔

ایک دانا کا قول ہے:

''علم سراپا آزمائش ہے، ہاں جب اس پر عمل کیا جائے تو پھر یہ وبال نہیں ہوتا''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ ۝ (الملک:۲)

وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو۔

نیز فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝ (محمد:۳۱)

''اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں''۔

پس انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد کے تمام تر صلحاء ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ پاک نے اس امر سے آگاہ کر دیا ہے کہ وہ دنیا میں ان کو خوشحالی دے کر آزمائے گا اور انہیں کئی چیزوں کا تصرف بخش دے گا۔ سکون کی دولت انہیں صرف اللہ ہی سے ملے گی کوئی عارضی شئے ان کے لئے باعث اطمینان نہ ہوگی اور اللہ نے انہیں جس چیز کا مالک بنایا ہوگا وہ اس کے خازن بھی ہوں گے اور وہ بغیر افراط و تفریط کے اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں اس خزانہ کو خرچ کر دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کے بارے میں کسی قسم کی تاویل

نہ کریں گے اور اپنی تمام تر مملوکہ اشیاء سے بے لذت ہو جائیں گے۔ نہ اسباب مادیہ کی طرف اپنے دل کو کبھی مائل ہونے دیں گے اور نہ وہ دوسرے انسانوں کو اسباب مادیہ کی لذت سے محروم رکھیں گے۔

اس قسم کی ایک روایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کی گئی ہے، اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍo (ص:۳۹)

''یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ! تجھ پر کچھ حساب نہیں''۔

کیونکہ یہ خدا کی ایک قلیل سی بخشش ہے اور اس امر کی علامت تھی کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قدر اور حمایت وتائید کی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے مہمانوں کو عمدہ کھانا کھلاتے تھے، اہل وعیال کے لئے کوئی خاص اہتمام نہ فرماتے اور خود بھوکا رہ کر گزارہ کرتے۔

علماء کے ہاں ایک یہ روایت بھی ملتی ہے کہ:

''ابراہیم علیہ السلام بغیر مہمان کے کھانا ہی تناول نہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات تین تین دن تک آپ کے ہاں کوئی مہمان نہ آتا اور آپ اس کی تلاش میں تین تین میل تک دور نکل جاتے تھے''۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام بھی جب کسی شخص کو اللہ کی قسم اُٹھاتے سنتے تو فوراً گھر آکر اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتے۔

علماء روایت فرماتے ہیں کہ:

''حضرت یوسف علیہ السلام زمین کے خزانوں کے مالک تھے، مگر آپ نے کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا کسی نے آپ سے پوچھا تو فرمایا، مجھے ڈر ہے کہ میں جب پیٹ بھر کر کھاؤں گا تو میں بھوکے لوگوں کی بھوک کا احساس نہ کر سکوں گا''

ایک اور روایت میں ہے کہ:

''حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دفعہ ہوا کے دوش پر اُڑ رہے تھے، پرندے آپ کے

سر پر سایہ کر رہے تھے اور جن وانساں کا عظیم لشکر آپ کے جلو میں تھا۔ آپ نئی قمیض پہنے تھے جو (پسینہ کے سبب) بدن سے چپک رہی تھی۔ ہوا میں آپ کو اس سے فرحت محسوس ہوئی مگر اس کے فوراً بعد ہوا رک گئی اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین پر اُتار دیا آپ علیہ السلام نے ہوا سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو وہ بولی، ''ہمیں اس وقت تک آپ علیہ السلام کی اطاعت کا حکم ہے جب تک آپ اللہ کی اطاعت کرتے رہیں۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام گہری سوچ میں مستغرق ہو گئے تو ہوا نے آپ علیہ السلام کو دوبارہ اُٹھالیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہوا آپ کو ایک دن میں کئی بار زمین پر چھوڑ دیتی، پھر آپ اس کی وجہ دریافت کرنے پر ہوا آپ کو دوبارہ اُٹھالیتی۔

ایسے لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف، یادِ خدا اور اس کی عبادت کے نشہ میں سرمست کوچ کرتے رہتے انہیں اپنی ملکیتی چیزوں میں سکون نہ ملتا تھا اور نہ ہی ان کو کھو کر وہ کبھی گھبراہٹ میں مبتلا ہوتے۔ وہ خدا کی رضا پر خوش رہتے اور کسی شئے پر حد سے زیادہ خوش نہ ہو جاتے، اور نہ ہی انہیں کسی خاص مقصد کے پیشِ نظر کسی علاج یا مجاہدہ کی ضرورت ہی پیش آتی۔

اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ط ۝ (انعام:۹۰)

''یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم انہی کی راہ چلو''

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ اچانک آسمان سے ایک دوسرا فرشتہ نازل ہوا جبرائیل سہمے کہ کہیں یہ انہی کے بارے میں کوئی پیغام تو نہیں لے کر آیا۔ پس اُس فرشتے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا کا سلام پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی۔ یہ لیجیے، خزائنِ اِرضی کی چابیاں، آپ جہاں ہوں گے سونے اور چاندی کے خزانے آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور آپ کے اس خزانے میں کبھی کمی واقع نہ ہوگی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے چابیاں لینے سے انکار فرمادیا اور کہا میں ایک وقت بھوکا رہنا چاہتا ہوں اور ایک وقت سیر ہو کر کھانا پسند کرتا ہوں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی اس فرمائش کو شانِ بے نیازی کے ساتھ قبول نہ فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ فرمائش سراسر آزمائش وامتحان ہے، اور اللہ کی محبت دنیا کو ترک کرنے اور اس کی خوبی ورعنائی سے رخ پھیر لینے میں پوشیدہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِo (طٰہٰ:۱۳۱)

"اور اے سننے والے! اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لئے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں"

"آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ ایسا حُلّہ زیب تن فرمایا جس پر نقش ونگار تھے مگر فوراً اُتار پھینکا اور فرمایا "قریب تھا کہ یہ لباس مجھے یادِ خدا سے غافل بنا دیتا" یا آپ نے فرمایا "اس حُلّے (جُبّے) نے مجھے یادِ خدا سے غافل کر دیا" اس کے بعد آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ حُلّہ لے لو اور انبجانیہ (ایک چادر تھی) مجھے پکڑا دو"۔ [۱]

"یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی گئی تا کہ آپ بامر اللہ لوگوں کو جو خطوط ارسال فرماتے ہیں ان پر مہر رسالت ثبت فرمادیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انگوٹھی کو پہن لیا اور پھر اُتار پھینکی اور صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "ایک نظر اس انگوٹھی کو دیکھ لو اور ایک نظر خود کو"۔

---

[۱] مشکوٰۃ: کتاب الصلوٰۃ، باب الستر بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ نیز نہایہ ابن الاثیر جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۶ اور معجم البلدان یاقوت الحموی جلد نمبر ۸ صفحہ ۱۶۸

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جوتے کا پرانا تسمہ اُکھاڑ کر اس کی جگہ نیا تسمہ لگا دیا پھر صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "مجھے میرا پہلا تسمہ ہی واپس لا دو"۔[1]

ہر پاک اور صاف دل والا آدمی عقبیٰ کو مشتاقانہ نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اس حقیقت پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، اس لئے وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا دل دنیا میں سکون تلاش نہ کرنے لگے اور اس کی رنگینیوں میں نہ کھو جائے۔

تاریخ تصوف میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں اور سمجھدار اور بیدار مغز آدمی کے لئے معمولی اشارہ بھی کافی ہوتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی مثالیں

(i) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہی کو لیجئے، جب آپ نے انہیں صدقہ و خیرات کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر کا سارا اسباب اُٹھا کر لے آئے کیونکہ آپ تمام مومنوں میں سب سے زیادہ قوی الایمان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا، گھر کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، "اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور میرے لئے اللہ کے ہاں مزید اجر و ثواب بھی ہے"۔

دیکھا! کس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حکم ایزدی کی تعمیل کے ذریعے اپنے قلب کو سکون دلانا چاہتے ہیں کسی اور چیز کے ذریعے نہیں۔ آپ تو گھر کا سارا مال و اسباب ہی اُٹھا کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپہنچے تھے۔ کیونکہ اللہ نے جو اس قربانی کے اجر کا وعدہ کیا تھا وہ ان کے لئے کہیں زیادہ سرور آگیں اور لذت آفریں تھا۔ پس اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حقیقت منکشف ہو چکی تھی، آپ نے راہ حق میں اپنا ایک قدم بھی پیچھے نہ

---

[1] صحیح البخاری: کتاب اللباس حدیث نمبر ۴۶، ۵۵ اور صحیح مسلم کتاب اللباس حدیث نمبر ۵۴، ۵۵ اور طبقات ابن سعد جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۶۵ فصل نمبر ۱۱۔

ہٹنے دیا۔ آپ نے اپنے گھر میں کچھ نہ چھوڑا اور یہی عرض کی ''میں گھر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت چھوڑ کر آیا ہوں''۔

(ii) ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لے کر جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے پوچھا، عمر! اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نصف مال اہل وعیال کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور نصف مال آپ کی نذر ہے، اور اللہ کے ذمۂ کرم پر مزید اجر وثواب ابھی باقی ہے''۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصف مال راہ خدا پر خرچ کرنے کے بعد یقین کے ساتھ کہہ دیا'' کہ میرا یہ کام عند اللہ محبوب اور مقبول ہے۔ اللہ کے ہاں سے مجھے ضرور اس کا اجر وثواب ملے گا''۔

(iii) پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش العسرۃ [1] (تنگ دستوں کا لشکر) کی ضروریات پوری کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور بئر رومہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے کھودا۔ [2]

کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ کہ پوری کی پوری جماعت اسلامیہ محض اللہ کے لئے روحانی اور مادی طور پر کس طرح تیار رہتی تھی۔

یہ مثالیں ہمارے اس قول کی تائید کے لئے کافی ہیں کہ علماء اور صلحا ایک ایسی جماعت ہیں جو اپنی ملکیت کی تمام چیزوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر صدقہ وخیرات کرنے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

---

[1] یہ غزوۂ تبوک کے واقعہ سے متعلق ہے جو ۸ھ میں پیش آیا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر چندہ دیا۔ استناد کے لئے دیکھئے ونیسنک کی ہینڈ بک صفحہ ۲۴۰ اور تاریخ ابن ہشام صفحہ ۸۹۵

[2] ابن ہشام: صفحہ ۶۷۳ جہاں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب کچھ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کر دیا۔ دیکھئے ونیسنک کی ہینڈ بک صفحہ ۷ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصف مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تاریخ ابن ہشام: صفحہ ۲۳۵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''ہم انبیاء کا گروہ ہیں۔ ہم نے اپنی ملکیت میں کبھی کوئی شئے نہیں رہنے دی جسے ورثا میں تقسیم کیا جا سکے۔ ہمارا ترکہ، صدقہ وخیرات کا حکم رکھتا ہے۔ جسے ہمارے بعد صرف مستحق لوگوں ہی میں تقسیم کر دیا جاتا ہے''

انبیاء علیہم السلام نے اپنے اموال میں کبھی بھی اضافے کی خواہش نہ کی۔ (بلکہ جو پاس تھا وہ بھی راہ حق میں خرچ کر دیا) اور اپنے بعد کسی کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ یہ اچھی باتیں ان لوگوں تک پہنچانا ہمارا فرض ہے جنھیں اللہ نے عقل سلیم دی ہے اور وہ حق وانصاف کے راستے پر گامزن ہیں۔

ائمۃ الہدیٰ (خلفائے راشدین) کا طریق کار

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی باری آتی ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو دنیا آپ کے سامنے بن سنور کر آئی مگر آپ نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی قسم کی بناوٹ سے کام لیا۔ آپ اس وقت (جبکہ مسند خلافت پر براجمان ہوئے) ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جس پر دو ببول کے کانٹے لگے تھے۔ اسی سبب سے لوگ آپ کو ذوالخلالین (دو کانٹوں کے لباس والا) کہتے تھے۔

۲۔ عروس دنیا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر آپ ساری عمر پیوند لگے کپڑے پہنتے، سادہ روٹی اور زیتون پر ہی گزارا کرتے رہے۔ آپ کے لباس پر درجنوں پیوند لگے ہوتے تھے جن میں بعض چمڑے کے ہوتے تھے۔ خدا کی شان! اللہ پاک نے قیصر وکسریٰ کے خزانے اسی درویش کے لئے کھول دیئے۔

۳۔ جہاں تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کا تعلق ہے بڑی سادہ تھی، آپ کے لباس اور آپ کے خادموں کے لباس میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا، دونوں ایک ہی جیسے ہوتے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے باغ کے باہر سر پر لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے ہوئے جا رہے تھے کسی نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

''میں نے ارادہ کیا تھا کہ دیکھوں کیا میرا نفس (بوجھ اُٹھانے سے) انکار تو نہیں کرتا''

کیا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے نفس سے کبھی غافل ہوئے، ہرگز نہیں۔ اُنہوں نے ہمیشہ اپنے نفس کی تربیت کی اور ریاضتوں کے ذریعے اس کی اصلاح کی۔

۴۔ (ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسند آرائے خلافت ہوئے)۔ایام خلافت میں آپ نے ایک روز ایک تہبند چار درہموں میں خریدی اور قمیص پانچ درہموں میں۔قمیص کی آستینیں لمبی تھیں، حضرت علی قمیص لے کر ایک کفش دوز کی دکان پر پہنچے، اس سے چاقو لیا اور خود ہی آستینیں کاٹ کر درست کر لیں۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دنیا کو دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ سے ہٹایا۔[1]

---

[1] انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق خلفائے راشدین کی دنیا سے بے رغبتی اور راہ خدا میں ہر چیز خرچ کرنے کے جذبے کے تحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے وھو یفرق الدنیا یمنةً ویُسْرةً۔

پروفیسر آربری نے اسکا ترجمہ یہ کیا ہے۔

Yet this same man divided the world right and left.

آربری کے ترجمے کا معنی یہ ہے۔آخر میں یہی علی کرم اللہ وجہہ تھے جو امت مسلمہ کے لیے آزمائش بن کر رہ گئے اور جن کے سبب دنیائے اسلام دائیں بائیں دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

میرے نزدیک پروفیسر آربری کو یہاں تسامح ہوا ہے وہ عربی عبارت سمجھ نہیں سکے صحیح ترجمہ وہ ہے جو اوپر میں نے درست کر کے دے دیا ہے۔ پروفیسر آربری کا ترجمہ نہ سیاق کلام کے مطابق ہے اور نہ ہی حقیقت حال کے والعلم عنداللہ۔(سیّد محمد فاروق القادری)

۵۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وفات کے وقت دو لاکھ دینار یا اس سے زیادہ رقم کے مقروض تھے کیوں کہ آپ اس قدر سخی اور کشادہ دست تھے کہ محتاج اور غریب کی مدد کے لئے قرضہ بھی لے لیتے تھے۔

٦۔ اسی طرح حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) ابن عبید اللہ نے ایک سوالی کو اپنی بیوی کا زیور ہی خیرات میں دے دیا۔

یہ سب واقعات اس حقیقت کی طرف دلالت کرتے ہیں کہ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حکم کے مطابق سنوار لیا۔

اللہ کا حکم بھی ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (الحدید:۷)

''اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں تمھیں پہلے لوگوں کا قائم مقام کر دیا''۔

لیکن فی زمانہ ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملتا جسے اس بات پر شرم محسوس ہو کہ اس کی ملکیت میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن کا حلال و حرام ہونا مشتبہ ہے۔ مگر اللہ تو ان مشتبہ چیزوں سے بخوبی واقف ہے کہ یہ کیسی ہیں اور کہاں سے ہیں؟ قلب انسان اس کی کیا قدر و منزلت متعین کرتا ہے؟ اور ایک انسان کس طرح خدا کے حکم کو پس پشت ڈال کر ان مشتبہ چیزوں کی محبت کو ترجیح دے رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ سکون اگر ہے تو بس انہیں میں۔ اس کے علاوہ وہ کتنے عیوب و نقائص ہیں جو انسان کی روزمرہ کی زندگی کی آغوش میں پل رہے ہیں۔

ستم یہ ہے کہ ایسا غافل انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ اسے بزرگان سلف کی نہج پر ہی مال و زر حاصل ہوا ہے اور باوجود نیک لوگوں کے طریقوں کی مخالفت اور اپنے نفس کی حرص و ہوا کی پیروی کرنے کے، وہ بزرگان ماسبق کی زندگیوں کے اہم واقعات کو اپنے حق میں بطور حجت لاتا ہے۔ حالانکہ غافل انسان کے لئے خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کر لینا اس کے لئے نجات کا قریب ترین راستہ ہے۔ نیز اس کا اللہ سے التجا کرنا کہ جہاں اس نے پہلے لوگوں کو پہنچایا تھا، وہاں تک اسے بھی پہنچا دے، اس کے لئے اور بھی مفید ہے اور موافقت کے اسباب فراہم کرنے والا اللہ ہی ہے۔

باب چہارم

صدق فی الزہد اور اس کی کیفیت اور ماہیت

اللہ پاک نے دنیا کو رسوائے زمانہ قرار دیا ہے اور اس کو ایسی حقارت سے یاد کیا ہے کہ کسی اور شئے کے لئے ایسے حقیر الفاظ استعمال نہیں کئے جو اس کے لئے کئے ہیں۔

مثلاً فرمایا:

اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ o (الحدید۔۲۰)

''دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا''

کیا ایک انسان کے لئے یہ بات باعث صد شرم نہیں ہے کہ وہ عقل مند ہو کر اس فریب نگر کے لہو ولعب اور طلسماتی رنگینیوں میں سکون ڈھونڈھنا چاہتا ہے؟

ابو سعید خراز فرماتے ہیں پھر میں نے اس عارف سے دریافت کیا، ''دنیا بذات خود ہے کیا؟''

اُس عارف کامل نے جواب دیا:

عقل مندوں اور اہل بصیرت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دنیا فقط نام ہے نفس اور اس کی خواہشات کا، خواہ وہ کیسی ہی ہوں۔ ور وہ اپنے جواب کی تائید میں مندرجہ ذیل آیت پیش کرتے ہیں:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا o (آل عمران:۱۴)

''لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے

اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے"۔

ان آیات کا تعلق خواہشات نفسانیہ اور ان کی لذت آگینی سے ہے۔ انہی کے ہاتھوں انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور آخرت کی یاد اس کے دل سے نابود ہو جاتی ہے۔ جب بندہ نے نفس کی جملہ خواہشات کو ترک کر دیا تو سمجھ لو وہ تارک الدنیا ہو گیا۔ آپ نے کبھی غور نہیں فرمایا کہ جب بندہ محتاج اور کنگال ہو جاتا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا تو وہ دنیا کی تمنا کرنے لگتا ہے، اس کے ثمرات و لذائذ کی حرص رکھتا ہے۔ اس کی نیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کر رہا ہے فوراً اسے مل جائے تاکہ وہ اس سے متمتع ہو اور اس کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ ایسا آدمی اللہ کے ہاں اپنی ہمت کے مطابق رغبت کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے لیکن جن چیزوں سے اس نے تمتع حاصل کیا ہے ان کی بابت دوسروں کی نسبت اس سے کم حساب لیا جائے گا۔

زہد کے درجات

پہلا درجہ: خواہشات نفسانیہ کی مخالفت میں زہد اختیار کرنا پہلے درجے کا زہد ہے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو ذلیل و حقیر سمجھ لیتا ہے تو اسے یہ مطلقاً پرواہ نہیں رہتی کہ اس کے شام و سحر کیسے گزر رہے ہیں، بشرطیکہ اس نے مخالفت نفس کے باوجود محبت الٰہیہ سے موافقت پیدا کر لی ہو اور اپنی دل پسند شہوات و لذائذ سے کنارہ کش ہو چکا ہو۔ نیز اس نے اپنے غفلت پسند دوستوں میں سے اپنے ہم مشرب اور بھٹکے ہوئے دوست کے علاوہ سب کی صحبت کو ترک کر دیا ہو، کیونکہ کسی بندے پر اصل اُفتاد اور مصیبت اُن لوگوں کی صحبت سے پڑتی ہے جو وہی کچھ چاہتے ہوں جو یہ خود چاہتا ہے۔

بقدر ضرورت اشیائے خورد و نوش، پوشاک، مکان، سونا، باتیں کرنا اور سننا اور دنیا کی خفیف سی تمنا اور اس کی دلکشیوں کو قابل اعتنا نہ سمجھنا بھی زہد کے پہلے درجے سے متعلق ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''یہ دنیا نازک ورعنا اور تازہ وشیریں ہے''[1]۔

پھر آدمی یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ دنیا فانی ہے، وہ موت کے اندیشے، آخرت اور دار بقا میں پہنچنے کے اشتیاق میں اچھے اچھے اعمال کرتا ہے اور اپنی آرزوؤں کو کم کرتا چلا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں آخرت کی پیہم فکرمندی دامن گیر رہنے کے سبب اس کے دل سے ہر قسم کی راحت کا تصور غائب ہو جاتا ہے، اس کا بدن خدمت الٰہیہ میں مصروف رہ کر آرام وسکون کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیتا ہے۔

یہ تھی زہد کے پہلے درجے کی تفصیل۔ اب آیئے دوسرے درجے کی طرف۔

دوسرا درجہ: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۶۱ ھجری)، وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۷ ھجری) اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۱ ھجری) فرماتے ہیں:

''دنیا میں زاہد بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی آرزوئیں کم سے کم ہوں''

مسلم فلاسفروں نے زہد کی جو تعریف کی ہے اس سے ہماری تائید ہوتی ہے کیونکہ جس آدمی کے ارمان کم سے کم اور آرزوئیں نہایت مختصر ہوں وہ عیش پرست نہیں ہوتا اور غفلت اس سے دور بھاگتی ہے۔

یہ قول کہ دنیا میں زہد اختیار کرنے والا آدمی ہی آخرت میں رغبت کر سکتا ہے۔ کیونکہ آخرت کے تمام احوال کا نقشہ آٹھوں پہر اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے، گویا وہ عتاب وثواب کی حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے سبب دنیا سے کنارہ کش رہتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲ھ) سے

---

[1] ترمذی شریف: کتاب الفتن باب نمبر ۲۶

پوچھا، اے حارثہ! آج صبح کیسی رہی؟ انہوں نے عرض کیا، ''جیسے ایک سچے مومن کی صبح ہو، اے اللہ کے رسول!'' اس پر آپ نے فرمایا ''تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟'' عرض کی، ''میرا دل دنیا سے ایسے بے رغبت ہو چکا ہے کہ میرا دن تو بھوک پیاس کی نذر ہو جاتا ہے، رات جاگتے کٹ جاتی ہے اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں اپنے رب کے عرش کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اہل جنت مجھے عیش وعشرت میں نظر آ رہے ہیں اور اہل دوزخ مجھے چیخ و پکار کرتے دکھائی دے رہے ہیں''۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہ مومن کا دل ہے، اللہ نے اسے نور سے معمور کر دیا ہے۔ اے حارثہ! تو نے معرفت حاصل کر لی، اب اس کو لازم پکڑ'' (یعنی اپنے دل کی اس حالت کو قائم رکھ۔

تیسرا درجہ: ایک عارف کا کہنا ہے:

''اشیاء کی قدر و وقعت کا دل سے نکل جانا، زہد کہلاتا ہے''

زہد ایک دقیق ترین اور مخفی ترین شئے ہے اور ہر آدمی کا زہد، اس کی معرفت الٰہیہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے دل سے دنیا کی محبت کو دھیرے دھیرے نکالتا چلا گیا شاید وہ زہد کی غرض و غایت کسی وقت معلوم کر لے اور یہ پتہ بھی چلا لے کہ وہ خود راہ زہد پر ٹھیک چل رہا ہے یا نہیں؟

اور جو شخص اپنے نفس کا مقابلہ کرنے میں کمزوری دیکھا گیا وہ کسی صورت میں بھی دنیا سے بے رغبت نہ سمجھا جائے گا، اور نہ وہ شخص جس نے خواہشات کو کچلنے کی کوشش نہ کی اور نہ یہ کہا جائے گا کہ آخرت کی اسے بڑی فکر ہے۔ کسی عالم (صوفی) کا قول ہے:

''حق بات یہ ہے کہ دنیا میں (رہ کر) زہد اختیار کرنے والا آدمی دنیا کو برا بھلا کہے گا اور نہ اس کی تعریف کرے گا۔ جب دنیا اس کے پاس آئے گی تو وہ خوش نہ ہوگا اور اگر دنیا اس سے پیٹھ پھیر کر چل دے گی تو اسے حزن و ملال نہ ہوگا''

ایک ابدال کا کہنا ہے کہ:

''جب تک زاہد کی نظر میں سونا اور پتھر برابر نہ ہو جائیں وہ زہد میں کامل نہیں ہوسکتا''

اور زاہد کو سونا اور پتھر اس وقت تک یکساں نظر نہیں آتے، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کوئی نشانی (تصرف) حاصل نہ ہو جائے جس کے سبب پتھر سونا بن جائے۔

اس حالت میں زاہد کے دل سے اشیاء کی قدر و قیمت بالکل محو ہو جاتی ہے۔

میں نے اس ابدال کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ کے نزدیک پتھر اور سونا برابر قدر و قیمت رکھتے تھے۔

زاہدوں کی اقسام

میں نے شیخ مذکور سے پھر یہ سوال کیا کہ زاہد لوگ کس مفہوم میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ اُس عارف نے جواب دیا: زہد کے مختلف مطالب کے لحاظ سے ہر زاہد میں زہد کا اپنا ایک خاص رنگ ہوتا ہے۔

پہلی قسم: یہ وہ زاہد ہیں جنھوں نے قلب کو لہو ولعب سے محفوظ کرنے کے لئے زہد کا انتخاب کیا اور اپنی پوری ہمتوں اور ارادوں کو حق تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خدمت و ذکر میں وقف کر دیا۔ پھر اللہ نے اسی اسلوب میں ان کی مکمل کفالت اور بھرپور کفایت کی، جس اسلوب سے وہ خدا کی طرف متوجہ ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بھی ایک ایسی ہی روایت ثابت ہے، آپ نے فرمایا:

''جس نے آلام وانکار کو من حیث المجموع ایک ہی غم تصور کرلیا، اللہ اس کے تمام غموں اور پریشانیوں کا ازالہ کرنے کے لئے کافی ہو جائے گا۔[1]

---

[1] ابن ماجہ: باب نمبر۲

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

''اللہ کی قسم! سچ یہ ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور مال ومتاع میں تمہارے لئے بہت بڑا مرض (خسارہ) ہے۔ ایک حواریؓ نے عرض کی، ''اے روح اللہؑ! مال ومتاع میں کونسا مرض یعنی خسارہ ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا، ''یہ کہ مال کا حق ادا نہ کیا جائے، اُس حواریؓ نے پھر عرض کی، اگر مال کا حق ادا کر دیا جائے تو پھر؟ آپ نے جواب دیا، مال وزر میں لوگ فخر اور تکبر کرنے لگیں گے'' اُس حواریؓ نے پھر پوچھا، ''اگر مال وزر کے ہوتے ہوئے بھی کوئی فخر ومباہات نہ کرے تو؟'' آپ نے فرمایا، ''پھر امیر آدمی اپنے مال و زر کی بہتری اور اضافے کی فکر میں یادِ خدا سے غافل ہوتا چلا جائے گا۔''

دوسری قسم: اس قسم کے لوگ زہد کو اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اور قیامت کو صراط مستقیم سے بآسانی گزر جانے کی غرض سے اپنے لئے پسند کر لیتے ہیں، جبکہ مالدار حضرات کو پل صراط پر سوال وجواب کے لئے روک لیا جائے گا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا:

''میرے سامنے میرے صحابہ حاضر کیے گئے میں نے ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نہ دیکھا (یا آپ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن کو میری ملاقات سے روکا گیا) پھر بعد میں مَیں نے عبدالرحمٰن سے اس کی وجہ دریافت کی کہ اے عبدالرحمٰن! تجھے کس چیز نے میری ملاقات سے روکے رکھا؟ تو وہ کہنے لگے میں اپنے کثیر مال وزر کا حساب وشمار کرنے میں مصروف تھا اور میرا پسینہ اس قدر بہا کہ اگر ستر پیاسے اُونٹ جنھوں نے حمض [1] کھائی ہو، میرے پسینے کو پینے آتے تو سیراب ہو کر واپس لوٹتے۔[2]

---

[1] ترش جھاڑی جسے کھا لینے کے بعد پیاس خوب لگتی ہے۔

[2] طبقات ابن سعد جلد نمبر ۳ باب نمبر ا صفحہ ۹۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا سند مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

''بڑے بڑے امیر لوگ، قیامت کے روز غریب وحقیر ہوں گے بہ نسبت اُن لوگوں کے جنھوں نے اپنے مال کو اللہ کے بندوں پر کھلے دل سے صدقہ و خیرات کیا''۔[۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''کوئی ایسا امیر یا غریب آدمی نہیں ہے جو قیامت کے دن اس بات کو محبوب نہ جانے کہ اللہ نے اسے دنیا میں صرف خوراک عطا کی تھی'' (اور ان کی باقی زائد دولت میں مستحق افراد کا حصہ تھا)[۲]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''مجھے پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا آئے اور تیسرے دن تک اس میں تھوڑا سا بھی میرے پاس بچا رہے، ماسوا ان دیناروں کے جو میں نے ادائیگی قرض کے لئے بچا لئے ہوں''۔[۳]

تیسری قسم: اس قسم کے لوگ جنت کے حصول کے لئے بڑے اشتیاق سے زہد کو اپنا شعار بناتے ہیں تاکہ دنیا کی طرف سے انہیں یک گونہ تسلی رہے اور لذات کی چاٹ نہ پڑے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ زاہد کو جنت کا شوق، اللہ کے ہاں سے ایسا عظیم اجر جس کی طرف خود اس نے بلایا اور اس کی صفات بیان کی تھیں، وافر مقدار میں بہم پہنچتا ہے۔

حدیث قدسی ہے:

---

[۱] صحیح البخاری: کتاب الاستقراض باب نمبر ۳، کتاب الرقاق باب نمبر ۱۴
نیز صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر ۳۲ [۲] ابن ماجہ: کتاب الزہد باب نمبر ۹

[۳] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب نمبر ۱۴ و صحیح مسلم: کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر ۳۱ اور ابن ماجہ کتاب الزہد باب نمبر ۸

''اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں: جو لوگ دنیا میں زاہد بن جاتے ہیں، میں جنت کو ان کے لئے مباح قرار دے دیتا ہوں''۔

ایک عارف کا قول ہے:

''زہد کے بغیر تلاوت قرآن بھی پسند نہیں''۔

چوتھی قسم: زہد اختیار کرنے والوں میں سے اُن زاہدوں کا درجہ سب سے زیادہ ارفع واعلیٰ ہے جنھوں نے وہ کام کئے جن سے اللہ کی محبت میں ترقی ہو۔ وہ خدا کے ایسے مقبول پسندیدہ بندے ہیں جو خدا کے کرم سے عقلی بصیرت پا گئے۔ وہ بڑے باریک بین اور محبت میں کھرے ہوا کرتے ہیں۔ اُنہوں نے خدا کی آواز کو اپنے دل کی وادی میں گونجتے ہوئے محسوس کیا اور جان گئے کہ دنیا اللہ کی نظر میں حقیر اور مذموم ہے اور جو دنیا کی قدر کرتا ہے، اللہ پاک اُس کو رسوا کرتا ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لئے اس دارفنا (دنیا) کو پسند نہیں فرماتے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ انہیں اس چیز کا سہارا لیتے دیکھے جس کو اُس نے خود ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اس کی مذمت بھی بیان کی ہے۔ زاہدوں نے یہ بات اپنے اوپر فرض کر لی کہ وہ کسی چیز پر اپنے اللہ سے جزاء کی مطلق خواہش نہ رکھیں گے بلکہ بڑی فیاضی سے (یا حصول بزرگی کی خاطر) اللہ کی محبت میں اس کے ہر حکم کے پابند رہے۔ پھر ان کی رضا اپنے اللہ کی رضا سے متفق ہوگئی اور یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال کو ضائع نہیں کرتا۔ تمام اُمور میں اللہ کے ساتھ اتفاق کرنے والے لوگ ہی اللہ کے تمام بندوں سے زیادہ عقل مند ہیں اور اس کے ہاں ان کی قدر و منزلت بھی ہے۔

---

[1] ابوداؤد، ترمذی اور بخاری میں دنیا کی ناپائیداری کا ذکر موجود ہے (راوی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دنیا کو ملعون قرار دیا گیا ہے ماسوا ذکر الٰہی کے اور ان لوگوں کے جو ذکر الٰہی کرتے ہیں اور وہ جو عالم ہیں یا متعلم، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن لکھا ہے۔

ایک روایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۱ھ) سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''عارف اور تیز ذہن والے لوگوں کی نیند کتنی میٹھی ہوتی ہے! اور ان کا افطار کتنا ہی برکت والا ہے کہ انہوں نے رت جگے اور روزہ داری کے ذریعے کتنا عظیم اجر و ثواب حاصل کر لیا''۔

نیز اللہ کے ہاں معزز اور ضعیف الایمان انسانوں کے پہاڑوں جیسے وزنی (نیک) اعمال کی بہ نسبت، صاحب تقویٰ اور یقین والے شخص کا ایک مٹھی بھر عمل زیادہ وزنی ہے۔

اس باب میں ہر اس آدمی کے لئے پیغام ہدایت ہے جس نے خدا کے نور سے اپنی عقل کو منور کر لیا اور خدا ہی کی ذات ہے جس سے اچھے اعمال کے لئے سازگار حالات کی طلب کرنی چاہئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت ہے کہ:

''آپ نے ایک زرد رُو جوان کو دیکھ کر اسے فرمایا، ''بیٹا! یہ زرد چہرگی کیسی؟'' اُس نے جواب دیا، ''اے امیر المومنین! بیماریاں اور دُکھ'' آپ نے پھر پوچھا ''کیا واقعی سچ کہتا ہے؟'' وہ جوان بولا۔ ''ہاں، بیماریاں اور دکھ ہیں''۔ آپ نے اس سے کہا، ''اپنے ان امراض و اسقام کی کچھ وضاحت کرو'' وہ جوان بولا، ''اے امیر المومنین! میں نے اپنے نفس کو دنیا چھڑا دی، میرے نزدیک سونا اور پتھر دونوں برابر ہیں، میں ایسے محسوس کرتا ہوں جیسے میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ جنتی لوگ آپس میں خوش خوش ملتے ہیں اور جہنمی لوگ چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس جوان سے پوچھا ''اے بیٹے! تو نے یہ مرتبہ کیوں کر حاصل کر لیا؟'' اُس نے جواب دیا، ''آپ (اگر) اللہ سے ڈریں وہ آپ پر اپنے علم و عرفان کی بارش کر دے گا۔ ہم جب اپنی علمی کوتاہی کے سبب کوئی (غلط) کام کر گزرتے ہیں تو بعد میں اپنے علم کی روشنی میں ایسے

عمل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ہم اپنے (موجودہ) علم کے مطابق ہی عمل کرنے لگیں تو ہمیں ایک علم عطا ہو جائے جس کے تحمل کی ہمارے جسموں میں طاقت ہی نہ ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بابت ایک روایت ہے آپ نے ایک دفعہ پانی طلب فرمایا، پانی لایا گیا۔ جب آپ نے پانی کا برتن منہ سے لگایا تو پانی کا ذائقہ چکھتے ہی برتن منہ سے ہٹا دیا اور رونے لگ گئے۔ آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

''میں نے ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز ہٹاتے دیکھا مگر وہ چیز مجھے نظر نہ آ رہی تھی میں نے عرض کی، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے کوئی شئے پیچھے ہٹا رہے ہیں جو میری نظر سے اوجھل ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں! دنیا میرے سامنے بڑی خوبی و رعنائی اور دلکشی کے روپ میں آئی، میں نے اسے کہا،'' کہ مجھ سے دور ہو جا لیکن وہ کہنے لگی، اگر آپ بچ گئے تو آپ کے بعد میں کسی آدمی کو نہیں بخشوں گی''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں میں دنیا سے مغلوب نہ ہو جاؤں (کیوں کہ برتن میں شہد ملا پانی تھا) اگرچہ دنیا مجھے نظر نہیں آ رہی لیکن میرے رونے کا سبب یہی ہے کہ مبادا یہ (شہد ملا لذیذ) پانی مجھے ہلاکت میں ڈال دے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

''اصحاب رسول اللہ علیہم اجمعین نے لذت کشی کے لئے نہ تو کبھی کچھ کھایا اور نہ ہی عیش و تنعم کی خاطر یا زینت و زیبائش کی نیت سے کبھی کوئی کپڑا زیب تن کیا''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے

جانے کے بعد جب ان کے اصحابؓ کافی فتوحات کر چکے اور انہیں کافی سہولتیں فراہم ہو گئیں تو وہ اکثر رویا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ''ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہمیں اپنی نیکیوں کا بدلہ آخرت میں ملنے کے بجائے، اسی دنیا میں مل رہا ہو''

لہٰذا بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے مولا و آقا سے ڈرے اور اپنے نفس کے ساتھ حق و انصاف کا سلوک کرے، بزرگانِ سلف کے راستے پر چلے، اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اللہ سے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگتا رہے۔

باب پنجم

اللہ پر توکل رکھنے میں صدق کی تاثیر

ا۔توکل کی خوبیاں

اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ (ابراہیم:١١)

''اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے''۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ (المائدہ:٢٣)

''اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ○ (ال عمران:٧٦)

''بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش کرتے ہیں''۔

حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰات والتسلیمات فرماتے ہیں:

''میری اُمت میں سے ستر ہزار افراد بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے جن کے اوصاف یہ ہیں:۔

(i) وہ فال گیری نہیں کرتے۔

(ii) جسموں کو نہ تو پچھنے لگاتے ہیں اور نہ داغتے ہیں۔

(iii) اور نہ وہ جاسوسی کرتے ہیں اور نہ ہی (جاہلانہ رسوم) کے تعویذ گنڈے۔البتہ

(iv) اُن کا اپنے رب تعالیٰ پر مکمل یقین اور توکل ہوتا ہے۔ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول روایت کرتے ہیں:

''اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح کہ اس کا حق ہے تو تمہیں یقیناً اسی طرح رزق ملے گا جیسے کہ پرندوں کو ملتا ہے۔ وہ صبح کو خالی پیٹ ہوتے ہیں، مگر شام کو دیکھو تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ [2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''عزت اور دولت مندی دونوں توکل کا سایہ تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں۔ جب انہیں توکل مل جاتا ہے تو توکل ہی ان کا اصلی وطن بن جاتا ہے''۔

توکل فی نفسہٖ کیا ہے؟ اور دل میں اس کا وجدان کس صورت میں ہوتا ہے؟ ان دونوں سوالوں کا جواب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۲۔ توکل کی تعریف:

توکل سے مراد اللہ کی ذات پر صدق دل سے ایمان لانا اور اسی کو حقیقی معتمد علیہ سمجھنا ہے، اور اسی کی ذات سے سکون اور اطمینان قلب، طلب کرنا، نیز امور دنیا مثلاً روزی اور ہر وہ چیز جس کی کفالت خدا کے ذمہ احساں پر ہے کی فکر اپنے دل سے نکال دینا اور یہ پختہ یقین کر لینا کہ دنیا کی ہر وہ شئے جس کا انسان محتاج ہے اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اللہ سے

---

[1] بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بحوالہ ریاض الصالحین باب [illegible] صفحہ ۲۹ [illegible] حدیث کتاب الطب صحیح البخاری باب نمبر ۱۷ حدیث نمبر ۴۲ کتاب الرقاق باب نمبر ۲۱ صفحہ [illegible] کتاب الایمان حدیث نمبر ۳۷۲، صفحہ ۳۷۴ اور ترمذی کتاب القیامہ: باب نمبر ۱۲ میں موجود ہے۔

[2] مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۱، صفحہ ۳۰، ۵۲ نیز دیکھو ریاض الصالحین کتاب التوکل صفحہ ۲۵ حدیث نمبر ۲ راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

ساتھ رشتۂ عبدیت استوار کرنے کے بعد غیر اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھنا، توکل کے مکمل اور پختہ ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

متوکل کو ماسویٰ اللہ کی اُلفت اور اس کا خوف دل سے نکال دینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ پر اعتماد و اعتبار کرنے پر کوئی اور شئے اثر انداز ہو سکتی ہے جس سے توکل علی اللہ کی خوبی میں نقص پیدا ہو۔

علم خالص یعنی عرفان الٰہی اور یقین محکم کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی وسیع رحمت بندہ کی ہر قسم کی طلب کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے اگر کوئی بھلائی اسے ملتی ہے تو اللہ کے حکم سے اور جب کوئی تکلیف اسے پہنچتی ہے تو بھی اللہ کے اِذن سے۔

حضرت فضیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ پر توکل و اعتماد رکھنے والا شخص اس پر پورا وثوق رکھتا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے شرمندگی اُٹھانے کا خوف مطلقاً نہیں ہوتا''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی متوکل شخص کو کسی چیز کا مالک بنا دیتا ہے اور اسے اپنے ہاں فضیلت بخشتا ہے تو وہ عیش و عشرت کے معمولی سامان کی ذخیرہ اندوزی بھی نہیں کرتا۔ ہاں اگر وہ اس نیت سے پس انداخت کرے کہ کل اسے راہ خدا میں خرچ کر دے گا تو درست ہے۔ چونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خزانچیوں میں سے ایک خزانچی کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جب کوئی مناسب موقعہ آتا ہے وہ فوراً جمع شدہ مال کھلے دل صدقہ و خیرات کر دیتا ہے۔ غم زدوں کے ساتھ مؤاسات (ان کا غم غلط) کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو برابر خیال کرتا ہے۔ اس پر یہ بھی واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے خویش و اقارب اور ضرورت مند حضرات کی ضروریات پوری کرتا رہے۔ بعدازاں، وہ عام مسلمانوں کو صلائے کرم دے سکتا ہے، وہ انہیں جس وقت مالی و اقتصادی پریشانی میں دیکھے، اس کا ازالہ کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''مال کو ضائع کرنے اور حلال اشیاء کو اپنے لئے حرام کر لینے کا نام زُہد نہیں، بلکہ دنیا میں زاہد بن کر وہی رہ سکتا

ہے جو اپنے ہاتھوں میں موجود پونجی کی بجائے ان نعمتوں پر بھروسہ کرے جو خدا کے دامانِ رحمت میں ہیں"۔

اور جب کوئی افتاد آئے تو زاہد اس کے بعد ملنے والی نعمتوں کی بجائے اُس اُفتاد پر زیادہ خوش رہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں ایک دفعہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کھجوریں لے کر حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، "کیا لائے ہو"۔ میں نے عرض کی، "آپ کی افطاری کا اہتمام کر رہا ہوں" آپ نے فرمایا، "اے بلال! اسے راہ حق میں بانٹ دو (جمع نہ کرو) اور رب ذوالعرش سے تنگ دستی کا خوف نہ رکھو۔ کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تمہارا یہ فعل جہنم کی آگ کو بھڑکا دے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"میں اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کی طرح نہیں ہوں۔ اسماء کل کے لئے کچھ نہیں بچاتی جبکہ میں ایک شئے کے ساتھ دوسری بھی لا کر جمع کر دیتی ہوں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپ کے پاس چند دینار تھے جو آپ نے مستحقین میں بانٹ دیئے خادمہ نے عرض کی، "آپ نے گوشت کے لئے کچھ درم کیوں نہ بچا لئے؟" وہ فرمانے لگیں: "تو مجھے پہلے یاد کرا دیتی"۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہونے کی آخری رات بڑے بے قرار رہے۔ آپ سہمے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا "سونے کی چھوٹی سی ٹکڑی نے آج میرے ساتھ کیا کیا؟ اس طلائی ٹکڑے کی قیمت پینسٹھ درہم تھی۔ پھر آپ نے فرمایا: "اے عائشہ! اسے راہِ خدا میں خرچ کر دے، محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کیا گمان کرے گا جب یہ اپنے رب کو اس حال میں ملے کہ سونے کی ٹکڑی اس ان کے پاس ہو"۔[1]

مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰ھ ہجری) کا قول ہے:

"میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل واثق رکھتا ہوں جب کہ خادم مجھ سے کہہ دے کہ آج گھر میں کھانے کو کوئی شئے نہیں۔"

۴۔ قطع اسباب اور اختیار اسباب کا بیان

میں نے اس عارف صالح سے پوچھا، "اللہ کی ذات پر توکل کرتے وقت اسباب کا سہارا لینا چاہیے یا قطع اسباب کے بعد ربِّ متعال پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

اُس عارف نے جواب دیا: توکل کے لئے اکثر اسباب کو منقطع کرنا پڑتا ہے۔ اگر خدائے مسبب الاسباب کی طرف آپ قدم اُٹھائیں گے تو آپ کو اللہ کی جناب سے سکون کا نور عطا ہو جائے گا۔

میں (ابوسعید خراز) نے پھر دریافت کیا، "کیا متوکل صادق مرض کے وقت کسی پرہیز یا دوا کا سہارا لے سکتا ہے؟

اُس عارف نے فرمایا: اس معاملہ کی تین صورتیں ہیں۔

(i) اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کی دوا اور اسباب کو ترک کرنے کی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔ جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میری اُمت سے ستر ہزار لوگ بلاحساب جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے جسم کا نہ تو فصد کیا اور نہ اسے داغا۔ نہ جھاڑ پھونک کی (اور نہ کنسوئیاں کرنے کی عادت ہی ڈالی) اور وہ اپنے رب پر کماحقہ توکل کرتے ہیں"۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد نمبر ۲، باب نمبر ۲ صفحہ ۳۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''جس نے زخم کو داغا اور جھاڑ پھونک کا سہارا لیا اُس نے خدا پر توکل ہی نہیں کیا''۔[۱]

ایک اور ارشادِ نبوی ہے:

''اگر کوئی شخص بدشگونی کے سبب اپنے کام پر جاتے ہوئے واپس ہو گیا، پس اُس نے ایسا فعل کیا ہے جو قرینِ شرک ہے۔[۲]

(ii) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوا اور جھاڑ پھونک کا حکم بھی دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعویذ گنڈے کی اجازت بھی دی اور خود اُبیؓ بن کعب (المتوفی ۲۲ھ) کی رگ کا فصد بھی کھولا۔

لیکن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا قول (یا ان سے مروی حدیث) ''اُس نے توکل نہیں کیا جس نے جسم کو داغا (یا اس کا فصد کھلوایا) اور جھاڑ پھونک کی'' کے معانی محدثین نے یہ لئے ہیں کہ ستر ہزار آدمی جو جنت میں بلا حساب جائیں گے، جہاں ان کی دوسری صفات حسنہ ہوں گی وہاں ان کی یہ خصوصیات بھی ہوں گی مگر وہ ان خصوصیات میں زیادہ ممتاز ہوں گے۔

ان جیسے متوکلین علی اللہ کے لئے مندرجہ بالا افعال کے سوا باقی سب افعال قانوناً مباح اور جائز تھے اور ان کی سرانجام دہی سے ان کے توکل پر کوئی منفی اثر نہ پڑتا تھا۔ کیونکہ علم و معرفت الٰہیہ ہمیشہ ان کی رفیق تھی اور ان کی نگاہ ہمیشہ بیماری اور دوا کے خالق کی طرف جمی رہی۔ وہ چاہے تو دوا کے سبب شفا دے اور چاہے تو دوا ہی کے ذریعے مرض کو اور بڑھا دے دوا کا ذریعہ شفا بن جانا یا اسباب کا مفید نتیجہ پیدا ہونا اللہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔

(iii) اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دوا سے اور فصد کھلوانے کے سبب سے کتنے ہی لوگ لقمہ اجل

---

[۱] مسند احمد بن حنبلؒ جلد نمبر ۴ صفحہ ۲۵۱

[۲] مسند احمد بن حنبلؒ جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۲۰

بن گئے، اور جب امید کی جاتی ہے کہ فلاں مرض میں فلاں دوا مفید رہے گی تو سوئے اتفاق سے وہ مرض کے ازدیاد کا سبب بن جاتی ہے۔ ایسے ہی ایک ضرررساں دوا کا استعمال خلاف توقع مرض کی صحت یابی کا موجب بن جاتا ہے۔

۴۔ متوکل کی تعریف اور اس کے احوال کا ذکر:

پس سچا متوکل وہی ہے جو ارادے کی پختگی کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرے کیونکہ توکل کا تقاضا یہ ہے کہ متوکل خدا پر اس وقت بھروسہ کرے کہ جب کہ اُسے معلوم ہے کہ مخلوقات میں کوئی بھی اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتا، اللہ ہی ہے جو اس کے لئے کافی ووافی ہے۔ پس ایسا متوکل آدمی کسی چیز کے نہ ہونے پر یہ نہ گمان کر سکے گا کہ اللہ نے وہ چیز روک لی ہے، کیونکہ اللہ اس کا واقعی نگہبان ہے وہ اسے ہر وقت کفایت کرتا ہے اور اللہ ہی کی وہ ذات ہے جو اپنے کاموں کو بڑے احسن طریق سے پورا کرتی ہے۔

میں (ابوسعید خراز) نے پھر دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ اللہ پر محض اس لئے توکل کرتا ہے کہ اللہ اس کو کفایت کرے، تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

اس عارف نے جواب دیا: یہ قول دو معانی سے خالی نہیں ہے۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ اللہ ایسے متوکل کو جزع وفزع اور بیقراری کی زحمت میں کفایت دے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہ ہوگا کہ جو مصیبت اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ دی ہے اسے وہ اپنی قوت توکل سے اپنے اوپر نازل نہ ہونے دے گا یہ ہے ہمارا قول اور قدرت کا اثبات کرنے والوں کا بھی یہی کہنا ہے۔ لیکن یہ بات کہ ''میرے جذبۂ توکل کے سبب کوئی درندہ مجھے کھا نہیں سکتا اور جو چیز مجھے بسیار تلاش کے بعد ملتی ہے میں اسے بلا تجسس وکوشش حاصل کر سکتا ہوں، کیونکہ ہر وہ چیز جو مجھے پریشان اور ہراساں کر سکتی ہے اسے میں اپنے توکل کی قوت سے روک سکتا ہوں۔ اس آدمی کا قول ہے جو یہ کہتا ہے کہ جس مصیبت کے دفاع کی میں خدا سے آرزو کروں گا لامحالہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے دفاع میں میری خواہش پوری کرے گا۔

لیکن یہ بات ہمارے لئے تعجب انگیز نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی تو متوکل کی کفایت کرتا ہے اور کبھی اس کی کفایت نہیں بھی کرتا۔

میں (ابوسعید خراز) نے استفسار کیا: "ایسا کیوں ہے کچھ صراحت فرمادیں"۔

اس عارف نے جواب دیا: ہاں سنیے! جب یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) کو ایک ظالم عورت نے قتل کر دیا تھا تو اس وقت یحییٰ علیہ السلام توکل کے اس مقام پر فائز تھے جو مطلوب تھا اور جب زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرا گیا تو وہ بھی اس وقت توکل علی اللہ کے راستے میں تھے اور اسی طرح تمام انبیاء علیہ السلام کی حالت رہی ہے جنہیں قتل کیا گیا یا مختلف قسم کی اذیتیں دی گئیں حالانکہ انبیاء علیہ السلام تمام مخلوقات سے زیادہ قوی ایمان اور پختہ یقین والے اور محبت الٰہیہ میں زیادہ صادق ہوا کرتے ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر غارِ ثور کی طرف لپکے تو وہاں اُنہوں نے انتہائی خشوع کے ساتھ دعا کی اور اُس وقت جبکہ (جنگ اُحد) میں مشرکین نے آپ کے سامنے کے دانتوں کو شہید کر دیا اور آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا تو اس وقت توکل علی اللہ کی منزل میں تھے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ توکل سے مراد ہے اللہ عزوجل پر مکمل اعتماد کرنا، اس کے دامانِ عاطفت میں سکون تلاش کرنا اور پھر اللہ کا حکم کہ وہ جو چاہے کرتا ہے، کن لینے کے بعد اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا یعنی اپنے تمام تر اختیارات سے دست بردار ہو جانا۔

اس قسم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۝ (الطلاق:۳)

"جو شخص اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے"۔

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو ضرور پورا کرے گا اور آیت:

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق:۳) "بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے" میں اندازے سے مراد مقررہ اور معیّنہ مدت ہے اور وہ منتہائے مقصود ہے

جہاں پر مقام عبدیت کی انتہا ہے۔ وہ شخص متوکل علی اللہ نہیں جو کہتا ہے کہ اللہ میری حاجات کو پورا کرتا رہے گا۔

یہ ہے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر جس سے پتہ چلتا ہے کہ متوکل علی اللہ صحیح معنوں میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتا ہے اور اس بات کا یقینی علم رکھتا ہے کہ ہر شئے کا اتمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہی اپنی نعمتوں سے بندوں کو نوازتا ہے چاہے تو انہیں محروم رکھے۔ یعنی اللہ ہی حقیقی مانع و معطی ہے۔

کبھی بندہ کو اس کے توکل کے سبب کوئی نعمت دی جاتی ہے اور کبھی اسے توکل کے باوجود محروم رکھا جاتا ہے۔ مجوسی، کافر، منکر، فاجر، ملحد، بدعقیدہ، بے ایمان اور دین کو ہزلیات کا مجموعہ سمجھنے والے سب کے سب کافر ہیں مگر اللہ کریم ان کی ضروریات پوری کرتا ہے اور کبھی متوکل علی اللہ جو صادق اور صاحب یقین محکم بھی ہے کی کوئی حاجت بر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ وہ تکالیف اور لوگوں کے طعن و تشنیع برداشت کرتا ہوا موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

بیشک توکلِ حقیقی کا مطلب ہے اسباب دنیا کو محل سکون نہ سمجھنا اور مخلوق کی طرف سے طمع و یاس کا تصور کلیتہً دل سے نکال دینا۔ مگر توکل کا یہ مقام بندہ کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ متوکل کا یقینی علم یہ فیصلہ صادر کرے کہ وہ ایک معلوم و مفہوم حقیقت کی طرف جا رہا ہے، پھر اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ توکل کے باوجود ہم اس کام کو جلد سرانجام نہیں دے سکتے، جس میں اللہ نے تاخیر کر رکھی ہو۔ اور نہ ہم اس کام کو مؤخر کر سکتے ہیں جسے خدا بہ تعجیل کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ البتہ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے جزع و فزع اور بیقراری و بے صبری کو اپنے اکتسابات یعنی عملیات و وظائف وغیرہ کی مدد سے دور کیا ہے۔ اب وہ حرص کے عذاب سے چھٹکارا پا کر مکمل راحت میں ہے اور اس کا دل علم و معرفت کے طریقے کو پسند کر چکا ہے۔

اُس عارف مولانے یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ نے مقرر کر دیا ہے وہ عالم تکوین میں ضرور رونما ہوگا اور ہر رُونما ہونے والی چیز ایک نہ ایک دن کھل کر سامنے آ جائے گی۔

اسی قسم کا ایک قول کسی بزرگ کا بھی ہے مثلاً

''قناعت کے ذریعے اپنے حرص کا بدلہ لے جس طرح تو اپنے دشمن سے قصاص لیتا ہے''۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا، وہاں ایک خشک کھجور پڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اسے اُٹھالو۔ اگر تم اسے نہ اُٹھاؤ گے تو یہ کسی نہ کسی طرح تمہارے ہاتھ میں پہنچ جائے گی''۔

محمد بن یعقوب التوفی ۲۷۰ھ فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مروان بن معاویہ التوفی ۱۹۳ھ کے ذریعے سے معلّٰی[1] نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ التوفی ۹۳ھ سے ایک روایت پیش کی ہے فرماتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں چند پرندے تحفتاً پیش کیے گئے، آپ نے ایک پرندہ خادمہ کو (پکانے کے لئے) دے دیا۔ جب اگلی صبح ہوئی تو خادمہ نے رات کا تھوڑا سا (پرندے کا) بچا ہوا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا، کیا تم کو کل کے لئے جمع کرنے سے میں نے منع نہ کیا تھا؟''

توکل کے باب میں جو باتیں اوپر بیان کر دی گئی ہیں ان کے بارے میں کسی آدمی کو ناواقف نہیں ہونا چاہئے اور توکل کا مقصود اصلی تو اس سے کہیں زیادہ جلیل و برتر ہے۔

---

[1] یہ اغلباً منصور الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا ہے جس کی وفات ۲۱۲ یا ۲۱۱ سن ہجری میں ہوئی۔

باب ششم

خوفِ الٰہی میں صدق کی افادیت

اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ o (البقرہ:۴۰)

'اور خاص میرا ہی ڈر رکھو'

وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ o (البقرہ:۴۱)

''اور مجھی سے ڈرو''۔

اور فرمایا:

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ o (البقرہ:۱۵۰)

''تو ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو''

اور یہ بھی فرمایا کہ:

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ o (النحل:۵۰)

''اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں''

مزید فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط o (فاطر:۲۸)

''اللہ ہی سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں''

اور یہ بھی فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا o (یونس:۶۱)

''اور اے لوگو تم کام نہیں کرتے لیکن ہم گواہ ہوتے ہیں تم پر''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْهُ o (البقرہ:۲۳۵)

''اور جان لو کہ بے شک اللہ تمہارے دلوں کی ہر بات جانتا ہے تو اس سے ڈرتے رہو''۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے:

''اللہ سے ایسے ڈرو کہ وہ تمہارے سامنے ہے''۔[1]

آپ نے یہ بات ابن عباس سے فرمائی:

''جو چیز خوف کو سکون قلب میں تبدیل کرنے کا باعث بنتی ہے وہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا حضور یعنی مراقبہ الٰہی ہے''۔[2]

مراقبہ کی ضرورت

اے ابوسعید خراز! مراقبہ اس لئے ضروری ہے کہ جب آپ یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ کی ظاہری و باطنی حرکات بھی اس سے پردۂ خفاء میں نہیں ہیں تو پھر آپ کے اس تصور (مراقبہ) کے سبب اللہ تعالیٰ کا مقام آپ کو اپنی ظاہری و باطنی سرگرمیوں کے دوران میں بڑی جلالت بزرگی کے ساتھ نظر آئے گا۔ اللہ کو آپ کے دل میں ایسی کوئی شئے نظر نہ آنی چاہئے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو اور اسے ناپسند ہو۔ بشرطیکہ آپ نے اپنے ارادہ کو مصمم کر لیا ہو جبکہ آپ اس امر سے آگاہ بھی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے نفس میں جنم لینے والی تمام آرزوئیں اور کیفیتیں خوب جانتا ہے۔

پس جس شخص نے اپنی تمام سرگرمیوں میں یہ تصور حقیقی معنوں میں اپنے دل کے ساتھ چسپاں کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کا بدستور مشاہدہ کر رہا ہے اور اللہ کی نصرت غیبی کے واسطہ سے اس کے دل میں ہر مکروہ فعل سے نفرت پیدا ہو گئی ہے، تو اے خراز!

---

[1] اربعین نووی بروایت عمر رضی اللہ عنہ در ریاض الصالحین وغیرہ۔

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب نمبر ۱۶، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۱، ۵، ۷ نیز مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۲ صفحات نمبر ۹، ۵۶۔

آپ سمجھ لیں کہ اس کا دل پاک ہوگیا۔ اب وہ نورانیت الٰہیہ سے معمور ہوگیا اور اس کا خوف، امن وطمانیت کی شکل اختیار کرگیا۔ اب صرف اللہ کا خوف ہمیشہ کے لئے اس کے دل میں آباد رہے گا اور یہ تمام احوال وکوائف میں خشیت الٰہیہ کومضبوطی سے تھامے رکھے گا، اس کے دل میں اللہ کے امر (حکم یا فیصلے) کی بہت عظمت ہوگی۔ اس حالت میں پہنچ کر اسے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہ کرسکے گی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بے قدری کرنے والے شخص کی رتی بھر قدر بھی اس کے دل میں نہ ہوگی۔ ایسا آدمی اس کی نظروں میں ذلیل ہوگیا۔ بیانِ خوف یوں تو کافی طویل ہے مگر یہاں اتنا کافی ہے۔

جس آدمی نے مندرجہ بالا اصول واشارات پر عمل کیا وہ ان کے ذریعے حقائق و معارف کا گنج گرانمایہ حاصل کرے گا۔ یہ خوف الٰہی کے ظاہری کیف کا ذکر تھا جس کے بیشمار احوال وکوائف کا ذکر ہم نے عمداً ترک کردیا ہے۔

اللہ سے حیا کرنے میں صدق کے اثرات

حیاء کے بارے میں ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ ہوں:

(i) حیاء جزو ایمان ہے یا حیاء سراپا ایمان ہے[1]۔

(ii) حیا سراپا خیر (اور برکت) ہے[2]۔

(iii) اللہ سے کماحقہٗ حیاء کرو۔ جو اللہ سے حیاء کرنے کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ سر اور اس کے آس پاس کے حصے کو محفوظ رکھے نیز پیٹ اور اس کے قریبی اعضاء کو بھی بچائے۔ قبروں کی یاد اور مصیبتوں کا ذکر ہمیشہ تازہ رکھے اور جو آخرت کا طلبگار ہو وہ زینت

---

[1] ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ریاض الصالحین کی کتاب الادب کے باب الحیا کی پہلی حدیث صفحہ ۲۹۰ پر ملاحظہ ہو۔

[2] اسی کے ساتھ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

دنیا کو اہمیت نہ دے[1]۔

(iv) تو اللہ سے اس طرح ڈر جس طرح تو اپنی قوم کے صالح آدمی سے ڈرتا ہے۔

(v) ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنے ستر کے کون سے حصے کا کن سے پردہ کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنی بیوی اور ملک یمین یعنی لونڈی کے سوا ہر ایک سے اپنی شرمگاہ کو ڈھانپ کر رکھا کرو''۔ اس آدمی نے عرض کی، ''اگر کوئی آدمی اکیلے پن میں ہو تو کیا کرے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''پھر اللہ پاک اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم وحیا کی جائے[2]''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب بیت الخلاء میں جاتے یا غسل فرمانے جاتے تو آپ پہلے سر ڈھانپ کر جاتے اور فرمایا کرتے تھے، ''میں اپنے رب سے ضرور حیاء وآزرم کروں گا'' یہ تمام واقعات واحادیث نیک لوگوں کے اس حقیقی تصور کا ثمرہ ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کرنے والا شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے احوال وکیفیات پر مطلع ہے اور ان کا برابر مشاہدہ کر رہا ہے۔

میں (ابوسعید خرازؒ) نے سوال کیا، ''کون سی شئے ہے جو حیاء کو مہمیز کرتی ہے؟'' اُس عارف نے جواب دیا: تین خصائل حیاء میں انگیخت اور بیداری پیدا کرتے ہیں

اوّل: باوجود انسان کی طرف سے نعمتوں کا قلیل ترین شکریہ ادا کئے جانے کے، اور اس کی کوتاہیوں اور خطاؤں کے وصف اللہ تعالیٰ کا اس پر اپنے احسانات کی مسلسل بارش کرتے رہنا۔

دوم: انسان کو یہ یقینی علم ہو جائے کہ اس کا اُٹھنا، بیٹھنا اور چلنا پھرنا اللہ پر عیاں ہے۔

---

[1] رسائل قشیریہ صفحہ ۱۲۸ دیکھئے۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بری بات بری نظر اور کنسوئی اچھی نہیں اسی طرح زنا اور بسیار خوری وغیرہ بھی حیا کو کم کر دیتی ہے۔

[2] ابوداؤد: کتاب الحمام حدیث نمبر ۹ نیز ترمذی کی کتاب الآداب حدیث نمبر ۲۲، ۳۹۔

سوم: اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ سب کو باری باری اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور پھر وہ ان سے صغیرہ کبیرہ تمام گناہوں کی پوچھ گچھ کرے گا۔

حیاء کی کمی وبیشی کے اسباب

ابو سعید خراز فرماتے ہیں! پھر میں نے اُس عارف سے دریافت کیا کہ کون سی شئے حیاء کو قوی اور مضبوط بناتی ہے۔

اُس عارف نے جواب دیا: جب دل میں کوئی خواہش پیدا ہو تو فوراً خوف الٰہی کے سبب آپ کا دل دہل جائے اور بے خود ہو جائے اور جب انسان اس حقیقت سے خبردار رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ارادت وافعال سے پوری طرح باخبر ہے تو اس کے اندر حیاء کی خوبی کا پتہ چلنا کوئی مشکل امر نہیں۔ اگر انسان اپنے اس تصور کو مداومت کے ساتھ پختہ سے پختہ کرے تو اس کے حیاء میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور یہ خود بخود مضبوط بھی ہوتی چلی جائے گی۔

میں نے پھر سوال کیا، ''حیاء کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟''

اُس عارف نے جواب دیا: اس بات کے ڈر سے کہ کہیں اللہ بندہ کی طرف سے نگاہ رحمت نہ پھیر لے اور وہ اس سے غضبناک نہ ہو جائے، مبادا بندے کا کوئی کام اسے ناپسند لگے۔

میں (ابو سعید خراز) نے پھر یہ استفسار کیا، ''اللہ سے حیاء کرنے والے آدمی کے دل پر کس چیز کا غلبہ ہوتا ہے؟'' اُس عارف نے کہا: حیاء کرنے والے آدمی کے دل پر رویت الٰہی کی آرزو کے سبب ایک خاص عظمت وجلالت اور جبروت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ سے بہت ڈرتا ہے اور اس کی یہ سراسیمگی اور خوفزدگی اس کے دل میں حیاء کو جنم دیتی ہے۔

پھر ابو سعید فرماتے ہیں: میں نے سنا کہ ایک دفعہ ایک مرید نے کسی عارف سے سوال کیا کہ عارف باللہ کے دل میں ہیبت الٰہیہ کے موجود ہونے کی کیا نشانی ہے؟ اُس عارف

نے جواب دیا: عارف کے نزدیک سانپ اور مکھی برابر ہو جائیں۔ میں (ابوسعید) نے عرض کی، ''حیاء کو کونسی شئے گھٹا دیتی ہے'' اُس عارف نے جواب دیا: اگر آپ اپنا محاسبہ کریں گے، اور تقویٰ و ورع کو چھوڑ دیں گے تو حیاء گھٹتی چلی جائے گی۔

پھر میں (ابوسعید خراز) نے سوال کیا کہ حیادار (باحیا) آدمی کے بذات خود کیا احوال وکوائف ہوتے ہیں؟۔

اُس عارف نے جواب دیا، ''طویل خشوع اور پیہم گریہ وزاری، خدا کی بارگاہ میں سرنگوں رہنا، نگاہ پر قابو رکھنا اور آسمان میں نگاہ کرنے کی عادت کم سے کم ہونا اور کثرت گفتار سے اپنی زبان کو روک لینا اور ڈرنا کہ کہیں جائے ضروریہ میں ستر زیادہ نہ کھلنے پائے نیز عبث کاریوں اور بیہودہ ہنسی کو ترک کر دینا یہ سب کے سب باحیاء آدمی کے اوصاف میں داخل ہیں اور خدا کے مباح کردہ افعال واقوال کے بارے میں حیاء کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا بھی حیاء کی پختگی کی علامات سے ہے۔ لہٰذا جن امور کے بارے میں خدا کی نہی وارد ہوئی ہے، اُن کے ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو لوگ اللہ کے جتنے قریب ہیں یا اللہ ان کے جتنا قریب ہے، ان کے دلوں میں حیاء بھی اسی قدر ہے اور بلحاظ قرب کسی میں حیاء زیادہ ہوتی ہے اور کسی میں کم۔

❁

باب ہفتم

معرفت انعامات الٰہیہ اور وظیفہ شکر کی ادائیگی میں صدق کی معجز نمائیاں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:۷۰)

''اور بے شک ہم نے بزرگی عطا فرمائی اولادِ آدم کو اور ہم نے انہیں سوار کیا خشکی اور دریا میں اور پاکیزہ چیزوں سے انہیں رزق دیا اور ہم نے انہیں بہت سی ان چیزوں پر فضیلت دی جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے واضح فضیلت بخشی ہے''۔

مزید ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۝ (النحل:۱۸)

''اور اگر تم انعامات الٰہیہ کو گننے لگو تو تم ان کو گن نہ سکو گے''۔

نیز فرمایا:

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ۝ (البقرہ:۴۰)

''یاد کرو میرا وہ انعام جو میں نے تم پر کیا''

پس جب بندہ غفلت سے بیدار ہوتا ہے تو وہ اللہ کی قدیم و جدید نعمتوں اور ان کی کاملیت و کمالیت میں غور و فکر کر کے انہیں تدبر و تحقیق کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

جدید وقدیم نعمتیں

اے انسان! اللہ نے تجھے یاد رکھا قبل ازیں کہ تیرا وجود بھی نہ تھا۔ اُس نے تجھے توحید و ایمان اور اپنی معرفت جیسی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، اُس نے قلم کو حکم دیا تو قلم نے (اسکے ارادے کے مطابق) تیرا نام مسلمانوں کی فہرست میں لکھا۔ ازاں بعد اُس نے تجھ پر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد تجھے نجات یافتہ لوگوں کے گروہ میں رکھا یہاں تک کہ تجھے سب سے بہتر اُمت میں زیادہ بزرگی والے دین (اسلام) پر پیدا کیا اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں تجھے شامل کیا۔ پھر اُس نے تجھے اپنی طرف اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہدایت کی اور تجھے شریعت کا پابند بنایا، تیرے دل کی کجی کو درست کیا اور تیرے جذبۂ ہوا پرستی کو ختم کر ڈالا۔ پھر اس نے تیری تربیت بھی کی۔ تجھے (بیماری میں) دوا اور (زندہ رہنے کے لئے) غذا فراہم کی اور اس طرح اللہ رب العالمین کی گوناگوں نعمتوں سے حظ اُٹھانے کے بدلے میں اس کے احکامات پر اوامر و نواہی کی رعایت سے تجھ پر عمل کرنا واجب ہوگیا۔ مگر تو نے اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری میں غفلت برتی۔ تو نے نصائح خداوندی پر عمل کرنے کی بجائے، کوتاہی سے کام لیا اور اپنی عمر کا ایک طویل اور قیمتی عرصہ خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی میں گزار دیا۔ لیکن پھر بھی اُس نے تیری بدکرداری کو قابل مؤاخذہ نہ سمجھا بلکہ وہ تیرے عیبوں پر پردہ ڈالتا رہا، اُس نے حلم اور بردباری سے تجھے برابر مہلت دی۔ اگر تو سرکش ہوا تو اس نے (مادرِ شفیق کی طرح) اپنے دامانِ رحمت وعطوفت میں تجھے لے لیا۔ اس نے کئی بار تیرے ضمیر کو جھنجھوڑا اور تو نے اس کی اطاعت میں جو جو کوتاہیاں کیں، اللہ نے ان سے بھی درگزر فرمائی۔ اور تجھے انابت وانابت (حضور خداوندی میں خشوع وخضوع اور انکسار کے ساتھ حاضر ہونے) سے نوازا۔ اُس نے اپنی پسند کے پاکیزہ ترین روحانی مقام پر تجھے متمکن کیا، اب تو واجب ہے تجھ پر کہ تو اپنے اللہ کا شکر ادا کرے۔ گو تیرے بس میں نہ تو اللہ کی نعمتوں کا شمار ہے اور نہ ہی تو اس کی کسی نعمت کا کماحقہٗ شکریہ ادا کر سکتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِیْ فِیْ کُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَۃٍ
لِسَانًا لَمَا اسْتَوْفَیْتُ وَاجِبَ حَمْدِہٖ

''اگر میرے جسم کے ہر بال کو زبان عطا ہو جائے تو پھر بھی مجھ سے اللہ کی تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا''۔

شکر کی اقسام

شکر کی اقسام تین ہیں:

(۱) قلبی (۲) لسانی (۳) بدنی

(۱) شکر قلبی:

یہ ہے کہ انسان اس امر سے بخوبی آگاہ ہو کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ ازلی و حقیقی، خدائے واحد ہی کی ذات ہے کوئی دوسرا نہیں۔

(۲) شکر لسانی:

اس ضمن میں خدائے رب العزت کی حمد و ثنا کرنا اس کی نعمتوں کا چرچا کرنا اور اس کے احسانات کا تذکرہ آتا ہے۔

(۳) شکر بدنی:

اعضائے جسمانیہ، اللہ نے صحیح و سالم بنائے ہیں اور انہیں بہترین تناسب میں تخلیق کیا ہے۔ ان سے معصیت الٰہی کے کام نہیں لینے چاہئیں، بلکہ ان کے ذریعے اطاعت الٰہیہ کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ اللہ نے انسان کو جس چیز کا دوروزہ مِلک بخشا ہے وہ اطاعت کے کاموں میں اس کا بہترین مددگار ہے۔ لہٰذا انسان اسے برے اور بے کار کاموں میں نہ لگائے اور اپنی مملوکہ شئے کو اسراف کے ساتھ خرچ نہ کرے۔

اے ابوسعید خراز! آپ کو اللہ کی یاد کثرت سے کرنی چاہیے۔ آپ اللہ کی اطاعت و خدمت سے لحظہ بھر کے لئے بھی غافل نہ رہیں۔ آپ کی تمام تر کوششوں اور سرگرمیوں کا

مقصود صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ اسی مضمون کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت مذکور ہے کہ آپ ساری ساری رات قیام میں گزار دیتے تھے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ کسی نے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا) نے آپ سے پوچھا، ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اس قدر زحمت کیوں اُٹھاتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی پچھلی کلفتوں کو ختم کر کے آئندہ کے لئے آپ کو اپنی مغفرت و رحمت کی چادر میں ڈھانپ نہیں لیا؟'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' [1]

نیز فرمان الٰہی ہے:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا‌ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ‏o (سبا:۱۳)

''اے آل داؤد! تم شکر کے لیے نیک کام کرو اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں''

اور ایک دوسری آیت مبارک میں ہے:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ‌o (ابراہیم:۷)

''اگر تم شکر کرو گے یقیناً تمہیں زیادہ دوں گا''

پس جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کے بلند ترین درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے وظیفۂ شکر کی قدر دانی کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے شاکرین کے گروہ میں شامل فرمایا تو وہ توفیق شکر ملنے پر بھی اللہ کا شکر بجالاتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامات و احسانات کا اس پر اتنا فیضان ہوتا ہے کہ وہ خود حیرت میں کھو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (طور پر) اللہ سے ہمکلامی کے دوران عرض کی، ''اے میرے رب! تو نے مجھے اپنی نعمتوں کا شکر

---

[1] صحیح البخاری: کتاب التفسیر، سورہ الفتح حدیث نمبر ۲

ادا کرنے کا حکم دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں تو یہ بھی تیرا ہی انعام (نعمت) ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، "اے موسیٰ علیہ السلام! تو حقیقتِ علم پا گیا یعنی تو نے عرفان حاصل کر لیا، اُس وقت سے جب سے تو نے جان لیا کہ شکر کی توفیق بھی تجھے میرے ہاں سے ملی ہے اور اسی سبب سے تو نے میرا شکر بھی ادا کیا ہے"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نعمتوں کا ذکر بھی ایک طرح کا اظہار شکر ہے۔ پس جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بکثرت مل رہی ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ انعام کرنے والا (اللہ) اور جس پر انعام ہو رہا ہے (بندہ) دونوں کے درمیان رشتۂ الفت و مودّت قائم ہے"۔

❁

باب ہشتم

راہِ محبت میں صدق کے نتائج

تمام حکما وعقلاء کا اس امر میں اتفاق ہے کہ محبت نعمتوں کو بکثرت یاد کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بیان فرماتے ہیں:

''اللہ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہےاور میرے ساتھ اس لئے محبت رکھو کہ اللہ سے تمہارا رشتۂ الفت استوار ہو سکے، اور میرے اہل بیت رضی اللہ عنہ کی محبت تم پر اس لئے لازم ے کہ ان کے بغیر تمہیں میری الفت ومودّت حاصل نہیں ہو سکتی''۔

نیز ارشاد باری ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ○ (البقرہ:۱۶۵)

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں اللہ کی''۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ایک روایت سنی ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک دفعہ وحی کی، ''اے عیسیٰ! قسم ہے مجھے اپنی ذات کی، میں تجھے بتائے دیتا ہوں کہ مجھے اس بندہ سے محبت ہے جو اپنی دونوں پسلیوں کے درمیان کے (عضو یعنی) دل سے مومن ہو چکا ہے''۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی دنیا میں تشریف فرما تھے کہ کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اپنے رب ہی سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے

اپنی محبت کی ایک نشانی (اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مقرر کردی اور یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ‌ؕ (ال عمران:۳۱)

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، زُہد اور ارشادات کی اتباع کرنا، اُمور دنیاوی میں باہم اظہار ہمدردی کرنا، دنیا اور اس کی خوبی ورعنائی سے منہ موڑ لینا صدقِ محبت کی علامات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اُمت کے لئے ایک نشانی، رہنما، نمونہ اور حجت بنایا ہے۔

محبت الٰہیہ میں انسان کے سچا ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ تمام اُمور میں محبت الٰہیہ کو اپنے نفسانی تقاضوں پر ترجیح دے اور ہر امر میں اپنے ذاتی فیصلے پر خدائی فیصلے کو مقدم سمجھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ روایت ہمیں موصول ہوئی ہے کہ اُنہوں نے اللہ پاک سے عرض کی:

''اے میرے رب! مجھے کوئی وصیت فرمایئے، اللہ جل شانہٗ نے فرمایا، میں تجھے اپنے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار! اس سے تیرا کیا مقصود ہے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا، جب بھی تیرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ فلاں بات رضائے خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے اور فلاں بات اتباع نفس کی دعوت دے رہی ہے تو تُو میری محبت کو اپنے نفسانی تقاضوں پر ترجیح دے''۔

اللہ سے محبت رکھنے والا بندہ زبان وقلب سے اللہ کی یاد کو اپنے لئے فرض سمجھتا ہے۔ وہ یادِ الٰہی سے غافل نہیں رہتا اور غفلت سے بچنے کیلئے وہ معرفت الٰہیہ کی طلب میں صادق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے اعضاء وجوارح اپنے محبوب (اللہ) کی خدمت میں وقف

ہوتے ہیں پھر نہ تو وہ کبھی غافل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ لہو ولعب میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے محبوب کو راضی کرنے کا تہیہ کر چکا تھا اور اسی لئے اُس نے اپنے اللہ کے ساتھ موافقت و مؤانست پیدا کرنے کے شوق میں اس کے فرائض کی ادائیگی اور اس کے مناہی سے اجتناب کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی، اب مکمل طور پر اسے ایسی روحانی طاقت مل چکی ہے جس کے سبب اس سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا جو اسے اپنے رب کی نظروں میں گرادے۔

اس قسم کی ایک روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آئی ہے آپ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے صرف فرائض کی ادائیگی کے ذریعے انسان میرا تقرب حاصل نہیں کر سکے گا البتہ نوافل (کی کثرت) سے وہ ضرور میرا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں وہ میرے کانوں سے سنتا ہے، میری آنکھوں سے دیکھتا ہے اور میرے ہاتھوں سے پکڑتا ہے (کیوں کہ ہر اچھے فعل کو اللہ کی طرف منسوب کرنے میں انسان کے روحانی مدارج میں ترقی وکمال کی ضمانت ہے) اُس نے مجھے پکارا تو میں نے اس کی پکار سنی، اُس نے میری خوشنودی کی خاطر اچھائی اور بھلائی کو اپنا شعار بنایا۔ جس کے نتیجہ میں (میری رحمت وشکوریت کا تقاضا یہ تھا کہ) میں اس سے احسان کروں''[1]۔

اللہ سے محبت کرنے والے آدمی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ موافقت اور مؤانست پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر کام میں اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتا ہے اور اس کے تقرب کے حصول کی خاطر سو سو جتن کرتا ہے۔ وہ فضول یا وہ گوئی سے پرہیز کرتا ہے، نیز اللہ کے متعین کئے ہوئے راستے سے کبھی بھی نہیں بھٹکتا۔

---

[1] ریاض الصالحین باب فی المجاہدہ صفحہ ۶۰، ۵۹ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث نمبر ا

نعمت الٰہیہ اور محبت انسان کا باہمی تعلق

میں نے اس عارف سے پھر یہ سوال کیا: کیا بندہ کی محبت اللہ کے ساتھ اسی قدر ہوتی ہے جس قدر اللہ کے انعامات اس پر ہوتے ہیں؟

اُس عارف نے جواب دیا: محبت کی ابتداء اللہ کی نعمتوں کو بکثرت یاد کرنے سے ہوتی ہے پھر بندہ جن انعامات کا جس قدر اہل ہوتا ہے اس کی محبت اللہ کے ساتھ بھی اسی قدر ہوتی ہے کیونکہ محبِ الٰہی، نعمتوں کے حصول وفقدان پر الغرض ہر حالت میں اللہ سے رشتۂ محبت جوڑے رکھتا ہے، یہ ایسی سچی محبت ہے جو کبھی کم نہیں ہوتی۔ اللہ اسے کچھ دے یا نہ دے، اسے آزمائش میں ڈالے یا خیر و عافیت سے اسے نوازے، سو اللہ کی محبت اس کے دل کے ساتھ وابستہ رہے گی اور اس کی محبت کی یکسانیت اس کے عقیدہ کے مطابق سمجھی جائے گی (یعنی خدا کے ساتھ جتنا پختہ یقین ہوگا اتنی ہی محبت میں بھی پختگی ہوگی) گویا محبت جتنی زیادہ ہوگی، قربِ الٰہی بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ او ر محبتِ الٰہیہ کو اللہ کی نعمتوں کے متناسب اگر گمان کر لیا جائے تو آزمائشوں اور مصیبتوں کے وقت اس میں نقص لازم آئے گا۔ حالانکہ اللہ سے محبت رکھنے والے آدمی کی عقل اللہ کی محبت میں دیوانی ہو جاتی ہے اور وہ رضائے الٰہی کے حصول میں مصروف رہتا ہے۔ وہ خدا کے شکر کی بجا آوری اور اس کی یاد تازہ رکھنے میں بیحد استعجاب اور فرحت محسوس کرتا ہے۔ گویا تمام تر نعمتیں اسے ہی مل چکی ہوں۔ اور وہ ساری مخلوق کو چھوڑ کر اللہ عزوجل کی محبت کے کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی بدولت، اس کے دل میں تکبر، کھوٹ، حسد اور سرکشی کی جو آلائشیں پہلے موجود تھیں اب وہ یکسر دھل گئیں اور مفقود و نابود ہو گئیں۔ دل کا آئینہ بالکل صاف ہو گیا اسی طرح دنیا کے بے شمار اُمور کا خیال بھی چند مصلحتوں کی بنا پر اس کے دل سے محو ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد لایعنی گفتگو سے پرہیز کرتا ہے۔

کسی فلاسفر کا قول ہے:

"جس آدمی کو محبت الٰہیہ کا کچھ حصہ مل گیا لیکن اُسے اس کے برابر خشیت الٰہی عطا نہ ہوئی تو سمجھ لو کہ وہ دھوکے میں ہے"

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''محبت خوف (الٰہی) سے افضل ہے''۔

اس عارف نے (جس سے ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ استفسار فرما رہے ہیں) سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ہمیں اسماعیل بن محمد[1] نے یہ بات سنائی کہ انہیں زہیر[2] (المصری) نے بتایا کہ وہ شعوانہ رضی اللہ عنہا سے ایک دفعہ ملے تو ان سے کہا، ''تمہاری روش بڑی اچھی ہے، مگر تم محبت کے منکر ہو'' زہیر المصری نے شعوانہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں تو محبت کا انکاری نہیں ہوں'' شعوانہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ کیا تو اپنے رب سے محبت رکھتا ہے؟ زہیر رحمۃ اللہ علیہ بولے ''ہاں'' شعوانہ رضی اللہ عنہا نے استفسار کیا، تجھے یہ خدشہ کیوں رہتا ہے کہ اللہ تجھ سے محبت نہیں کرتا جبکہ تو اس سے محبت کرتا ہے؟ زہیر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''میں اس سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے علم اور معرفت بخشی اور مجھے اپنی ان گنت نعمتوں اور نوازشوں سے سرفراز فرمایا حالانکہ میں ایک گنہگار شخص ہوں اور جب میں یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے پسند نہیں کرتا تو میں سہم جاتا ہوں کیونکہ میرے اعمال ہی ایسے ہیں[3]۔'' شعوانہ رضی اللہ عنہا[4]، زہیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ گفتگو سنتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑیں۔ جب انہیں ہوش آیا تو کہنے لگیں، مزید کچھ ارشاد فرمایئے۔ ابو سعید خراز فرماتے ہیں: ''اس آدمی نے کتنی ہی اچھی بات کہی ہے اور واقعتہً یہ بات درست ہے''۔

ایک رفیع المرتبت ابدال کا قول ہے:

''وہ آدمی جو اللہ سے محبت رکھتا ہے بڑی شان والا ہے بمقابلہ اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے''۔

اور یہ باب ہر اس آدمی کے لئے چراغ راہ ہے جس نے خدا کی اعانت اور اس کی بارگاہ سے مضبوطی حاصل کرلی۔ محبان الٰہی کی اور بھی صفات ہیں جو یہاں ذکر نہیں کی گئیں۔

---

1. شاید یہ الزہری ہے جس کی وفات ۱۳۴ سن ہجری میں ہوئی۔
2. شاید یہ عبداللہ کے بیٹے کا نام ہو جیسا ابن حجر رضی اللہ عنہ نے تہذیب التہذیب جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۴۶ پر لکھا ہے۔
3. امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الطبقات الکبریٰ جلد نمبر ۱ صفحہ ۸۷ ملاحظہ ہو۔
4. شعوانہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی کے لئے الطبقات الکبریٰ ملاحظہ فرمائیں۔

باب نہم

رضائے الٰہی کے حصول میں صدق کی اہمیت

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (النساء:٦٥)

''تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں''۔

اکابر صوفیہ میں سے کسی کا قول ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک ان (مسلمانوں) کے ایمان کی گواہی دی ہی نہ تھی جب تک کہ وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوگئے۔

پس جو خدا تعالیٰ کا حکم (فیصلہ) سن کر اس پر راضی نہ ہوا، اس کی خیر نہیں۔

میں نے پھر اس عارف سے یہ دریافت کیا، ''وہ کونسی نشانی ہے جسے دیکھ کر ہم یہ معلوم کرسکیں کہ فلاں آدمی کے دل میں رضائے الٰہی کا بسیرا ہے؟ نیز فرمائیے، قلب میں اس کے موجود ہونے کے کیا کوائف ہیں؟''

اُس عارف نے جواب دیا: قضا کے جاری ہو جانے پر آدمی کا دل سرور وشادماں رہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص رضائے الٰہی کی منزل کا راہی ہے۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رضاء سے مراد ہے مصائب وشدائد کا امید واثق اور خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کرنا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا۔ آپ نے کبھی مجھے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور کیوں نہ کیا؟ یا یوں کرنا چاہئے تھا، بلکہ آپ صرف اتنا فرماتے، قضائے الٰہی ہی ایسی تھی یا فرماتے مقدر میں یہی لکھا گیا تھا''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے فرماتے ہیں: ''مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میرے شب و روز کس چیز کی محبت یا نفرت میں گزرتے ہیں کیونکہ مجھے تو یہ علم ہے ہی نہیں کہ کونسی شئے اچھا نتیجہ پیدا کرے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا، ''اگر صبر اور شکر میرے سامنے دو اونٹوں کی شکل میں لائے جائیں تو میں لا اُبالیانہ ان میں سے ایک پر سوار ہو جاؤں گا''۔

یہ قول حقیقتِ رضا کا بہترین ترجمان ہے، بدیں جہت کہ صبر ناگوار وقوعہ کے رونما ہونے پر کیا جاتا ہے اور شکر کسی پسندیدہ اور خوش کن امر پر کیا جاتا ہے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اس کی مطلق پرواہ نہیں رکھتا کہ میرے لئے ان دونوں میں کس کی سواری بہتر رہے گی''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

''کتنی اچھی اور دلکش ہیں مکروہات! اللہ کی قسم! یہ فقر و غنا کے ماسوا نہیں ہیں''۔

یقیناً فقر و غنا میں سے ہر ایک کا حق واجب ہے، بشرطیکہ غنا میں نرمی و کرم گستری اور فقر کی حالت میں صبر سے کام لیا جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''آج مجھے اپنے معاملات میں کوئی اختیار نہیں رہا''

اور ایک پاکباز کا قول ہے:

''میں اپنی ذات کے بارے میں تقدیر الٰہی کے فیصلوں کے سوا اور کوئی نعمت نہیں رکھتا، وہ فیصلے میری مرضی کے مطابق ہوں یا برعکس''۔

اسی نیک بخت نے ایک دفعہ زہر پی لی۔ کسی نے کہا، ''تریاق استعمال کرلو۔ (جان بچ

جائے گی)،" وہ کہنے لگا، "اگر مجھے یہ علم ہو کہ میں اپنی ناک یا کان کو چھونے ہی سے شفایاب ہو جاؤں گا تو میں پھر بھی ایسا نہ کروں گا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا:

"اے اُم عبد کے بیٹے! زیادہ مضطرب وبیقرار نہ ہوا کرو۔ جو مقدر میں ہے، ہو کر رہے گا اور جو تجھے ملے گا تو وہی کھائے گا"۔

ایک طویل روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے فرماتے ہیں:

"اگر تجھ سے ہو سکے تو پختہ یقین کے ساتھ اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر عمل کر۔ ورنہ تمہارے لئے ناپسندیدہ اور خلاف طبیعت رونما ہونے والے واقعات پر صبر سے کام لینا بہت بڑی نیکی اور اچھائی ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ارفع اور اعلیٰ مقام والے عمل کی کس انداز میں تلقین فرمائی ہے۔

کسی شیخ طریقت کا کہنا ہے:

"جب کسی بندہ میں زُہد، توکل، محبت، یقین اور حیاء اپنے عروج پر آ جاتے ہیں تو پھر اس کا شیوۂ رضائے الٰہی نہایت درست اور صحتمند ہوتا ہے"۔

وہ عارف فرماتے ہیں کہ یہ قول ہمیں بھی پسند ہے۔ اگر یوں نہ ہوں تو اُسے ایسے لوگوں کا جلیس وہم نشیں سمجھو جن کے دلوں میں رضاء کی مناسبت سے مختلف احوال وکوائف ترتیب پاتے ہیں، پھر وہ صبر کی پناہ میں آ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے:

"رضا تو ایک قلیل سی شئے ہے اور صبر مومن کا بہترین مددگار اور معاون ہے"

میں نے اس عارف سے یہ سوال کیا کہ آپ نے ابھی ابھی ایک بزرگ کا یہ قول بیان

فرمایا ہے کہ جو شخص راضی برضائے الٰہی ہوتا ہے وہ مصائب ونوائب کا مسرت وشادمانی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے ذرا اس کی وضاحت فرما دیجئے''۔

اُس عارف نے فرمایا: بندہ جب محبت الٰہی میں صادق ہو جاتا ہے تو اللہ اور اس کے درمیان مفاوضت (باہمی رضا) اور تسلیم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، شکوک وشبہات اس کے دل سے رخصت ہو کر جاتے ہیں اور وہ اپنے اللہ کے حسن اختیار پر مطمئن اور پُر سکون رہتا ہے۔ وہ اپنے مولا سے غذائے روحانی حاصل کرتا ہے اور اس کے بہترین سلوک کو پسند کرتا ہے۔ بالآخر اس کا پیمانہ دل مسرت وفرحت سے لبریز ہو کر آزمائش وتکالیف اور آلام وشدائد کی تلخیاں بھول جاتا ہے، وہ سنگین سے سنگین تر حالات میں بھی اُلجھنوں اور پریشانیوں کے چنگل سے باہر نکل آتا ہے اور خوش رہتا ہے کیونکہ اُسے علم ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ وہ ابتلاء اور آزمائش میں بھی اس سے غافل نہیں اور وہ مصائب وآلام کا خاتمہ کرنے اور صلاح وفلاح کے کاموں کی توفیق دینے پر ہر طرح سے قادر ہے۔ لیکن کسی وقت وہ اپنے اللہ سے شکوۂ بیدردیٔ ایام بھی کر ہی دیتا ہے۔ جیسے ایک عاشق اپنے محبوب سے شکایت کرتا ہے وہ خدا کے حضور کبھی اپنے دکھ بیان کرتا ہے یا محض یہی لالچ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سرتاپا رضا کا پتلا بنا دے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً ۚ

(الفجر ۲۷۔۲۹)

''اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی''

رموزِ الٰہی جاننے والے اور مومنوں کا ذہین طبقہ، اس دنیا میں ہی رضائے الٰہی کے درجات کی تکمیل بہت جلد کر لینا چاہتے ہیں۔ اُن کا مرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ رضاء کی ایک

منزل سے نکل کر دوسری منزل میں داخل ہو جائیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ ۝

(توبہ:۱۰۰)

''اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں۔''

راضی برضا لوگوں کی ظاہری صفات کا ذکر ہم نے حتی الوسع بیان کر دیا ہے اور ان کے متعدد اوصاف پر ہم نے قلم اُٹھایا ہے اور اللہ ہی ہے جو توفیق بخشتا ہے۔

❁

باب دہم

اشتیاق الٰہی میں صدق کی حقیقت

اس باب کا آغاز چند احادیث واخبار سے کرتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ لَذَّةَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالنَّظَرِ اِلٰی وَجْهِکَ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَآءِ کَ ○

''اے اللہ! میں اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تجھ سے سکون وراحت، تیرے دیدار اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہو۔[1]

۲۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ہیں:

''مجھے اشتیاقِ الٰہی میں موت سے پیار ہو چکا ہے''۔

۳۔ اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۶ ہجری) نے ایک دفعہ فرمایا تھا:

''عِنْدَ الْمَوْتِ حَبِیْبٌ جَآءَ عَلٰی فَاقَةٍ لَا اَفْلَحَ مَنْ نَدِمَ''

''عندالموت جب سختی بڑھ جاتی ہے تو دوست آتا ہے۔ جو اس وقت بھی نادم ہوا (یعنی دوست سے محروم ہونے کے باعث) (وہ آخرت کی) فلاح نہ پائے گا''

۴۔ شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۰۰ ہجری) ایک روایت میں بیان کرتے ہیں:

---

[1] نسائی: کتاب السہو۔

''حضرت معاذ[1] رضی اللہ عنہ کو گلے میں زخم ہو گیا تھا آپ نے التجا کی اے اللہ! گھونٹ لے اپنے گلے کو پس قسم ہے تیری عزت کی میں تجھ سے محبت کرتا ہوں''۔

۵۔ علی بن سہل المدائنی رحمۃ اللہ علیہ رات کو جب کہ لوگ گہری نیند کے مزے لے رہے ہوتے، بڑی غمناک آواز میں اپنے رب کو یوں پکارا کرتے:

''اے وہ کہ جس سے، اُس کی مخلوقات کے دلوں کو اس کے آگے قیامت کے دن نادم ہونے کے خوف نے پھیر دیا۔ اور اے وہ ذات! جس کے بندوں کے دل اس کے اشتیاق کو بھول گئے جبکہ انہیں حصول معرفت سے قبل بھی اس کی کثیر نعمتیں میسر تھیں''۔

یہ جملے کہنے کے بعد وہ رونا شروع کر دیتے، یہاں تک کہ ان کے پڑوسی جاگ پڑتے اور ان کو دیکھ کر وہ بھی رونے لگ جاتے۔ پھر علی بن سہل[2] المدائنی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو جاتے:

''اے میرے سردار! کاش یہ میرے شعور میں آچکا ہوتا کہ تو کب تک مجھے اس حبس (یعنی دنیا کے قید خانے) میں رکھے گا۔ اے میرے مولا! مجھے اپنے اچھے وعدہ (جنت یا دیدار) کی طرف بلا کر لے جا۔ اور تو بخوبی آگاہ ہے کہ کس شوق نے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور میری روح تک کو جھنجھوڑ ڈالا ہے اور مجھے از حد چوکنا بنا دیا ہے۔ ہائے! اتنا طویل عرصۂ انتظار!''

یہ کہہ کر وہ کافی عرصہ تک بے ہوش پڑے رہتے، یہاں تک کہ نمازِ فجر کا وقت آ جاتا تو وہ اُٹھ کر فجر کی نماز ادا کر لیتے۔

---

[1] معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ پڑھے آپؓ اہل صفہ سے تھے۔

[2] غالباً اس کے بعد کی وہ روایت ہے جو خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تاریخ بغداد جلد نمبر ۱۱ کے صفحہ نمبر ۴۲۹ میں اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۳۰ جلد نمبر ۷ میں نقل کی ہے۔

۶۔ حارث بن عمیر البصری رحمۃ اللہ علیہ صبح کے وقت فرمایا کرتے تھے:

''اے میرے آقا! میں اس حالت میں صبح کر رہا ہوں کہ میری جان، میری رُوح اور میرا دل آپ کی محبت پر برابر اصرار کر رہے ہیں اور یہ آپ کی ملاقات کا بے حد شوق رکھتے ہیں۔ پس آپ جلد ہی مجھے اپنی ملاقات کا شرف بخشنے کے لئے اپنے پاس بلا لیجئے قبل اس کے کہ رات کی تاریکی (مجھے) آ گھیرے''۔

جب شام ڈھلتی تو بھی آپ اسی قسم کے کلمات دُہراتے اور ساٹھ سال تک آپؒ کا یہی وظیفہ رہا۔

دیدارِ الٰہی کا شوق رکھنے والوں کے اوصاف و احوال

دیدارِ الٰہی کا مشتاق دنیا کی ہر شئے سے نفور و بیزار رہتا ہے، حتیٰ کہ اس دنیا میں وہ لمحہ بھر کے لئے بھی جینا نہیں چاہتا۔ وہ دنیا کو چھوڑ کر موت سے پیار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی مدت العمر ابھی سے ختم ہو جائے۔ مشتاقِ الٰہی کی نشانی یہ ہے کہ وہ مخلوقات سے وحشت زدہ رہتا ہے۔ گوشۂ تنہائی میں رہنا اسے بہت پسند ہے وہ (ملاقاتِ الٰہی کے لئے) بڑا بیقرار اور بے چین رہتا ہے۔ وہ ذکرِ خدا میں مستغرق رہتا ہے اور یہی اس کی راحت کا حقیقی سامان بھی ہے، یہاں تک کہ دید الٰہی کے شغف و اشتیاق میں (پیش آنے والے) حزن و ملال، دُکھ اور سنگینیٔ الم سے اس کا نازک آئینہ دل ٹوٹ جاتا ہے۔

ایک حدیث پاک میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ ○

''میرا ٹھکانہ ٹوٹے ہوئے (دُکھی) دل ہیں''

مشتاقِ الٰہی کے خیالات بڑے پاکیزہ ہوتے ہیں۔ اس کا جذبۂ الفت و انس لحظہ بہ لحظہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب اس کے دل میں خدائے محبوب سے ملاقات کرنے کی آرزو

پنپتی ہے تو خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا۔ اور جب وہ اپنی کسی آرزو کی تکمیل ہوتے دیکھتا ہے تو اس پر تحیّر اور توحُّش کے آثار غالب آجاتے ہیں۔ وہ اپنے معشوق (خدا) کے علاوہ دنیا کی ہر شئے کی لذت کو بھول جاتا ہے۔ ہاں! اس کے فوراً بعد اُس پر خوف طاری ہو جاتا ہے یہ اسے اس وجہ سے لاحق ہوتا ہے کہ مبادا وہ وصال الٰہی سے محروم رہ جائے۔ اسے یہ بھی ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس کا تعلق اپنے محبوب سے ٹوٹ نہ جائے۔ اور مبادا کوئی شئے اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان حائل ہو کر اس کو وصال محبوب سے روک دے۔ اسے یہ بھی خدشہ رہتا ہے کہ دارالمحن (دنیا) میں اسے کوئی حادثہ پیش نہ آجائے جس سے اس کے شب و روز اتنے طویل ہو جائیں کہ وہ اپنے مولا کی رضا کے مطابق صحیح و سالم اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف انتقال نہ کر سکے۔ یہ ہیں مشتاقانِ الٰہی کے چند اوصاف و احوال جنھیں ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

❁

باب یازدہم

مقام اُنس

اللہ کے اُنس اور اس کے ذکر و تقرّب کے اُنس میں صدق کا حصہ

ایک دانا کا قول ہے:

''اللہ کا اُنس، اس کے شوق سے زیادہ لذت بخش اور رقّت آفریں ہوتا ہے کیوں کہ اللہ اور اس کے مشتاق کے درمیان اس کے شوق کے سبب ایک خفیف سا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر اُنس ایک ایسا مقام ہے جو مشتاق کو اللہ کے اور بھی قریب پہنچا دیتا ہے''۔

جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس انسانی شکل میں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے آپ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کیا۔ اس کے بعد اُنہوں نے احسان کی بابت دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''احسان یہ ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ کی اس یقین محکم کے ساتھ عبادت (اطاعت) کرے گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ (اگر تیرا تصور اس قدر پختہ نہیں) تو پھر یہ یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ تو تجھے دیکھ رہا ہے''۔

جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے اس قول کی تصدیق وتصویب فرمائی۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی فرمایا تھا:

''اللہ کی عبادت (اطاعت) اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ورنہ (کم از کم) اتنا ضرور ایمان رکھ کہ اللہ تعالیٰ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے''۔

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے سامنے قیام کرنے (یا منازل قرب طے کرنے میں استقامت) کی تلقین فرمائی ہے اور قربِ ایزدی کے معانی اور آدابِ تقرب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قُربِ الٰہی کے ذریعے ہر مقام میں حقائق الامور کا انکشاف ہوتا ہے، اگر ایک شخص مقام خوف میں ہے تو وہ قرب الٰہی پالینے کے باوجود کوئی خوف ضرور محسوس کرتا رہے گا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے اور جس شخص کو مقام محبت حاصل ہے، اُسے قرب الٰہی کے حقائق کے ذریعے خوشی، معرفت اور راحت ارزاں ہوگی، جب کہ وہ اس بات پر ایمان بھی رکھتا ہو کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ رضائے الٰہی اور قرب ایزدی کی طلب میں مسلسل تگ ودو کر رہا ہوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس امر کا مشاہدہ کرتا رہے کہ اس کا بندہ اس کی قربت اور غایتِ درجہ محبت کی تحصیل کے ارادہ سے کس طرح رغبت کے ساتھ متواتر دوڑ دھوپ میں لگا ہے، یہاں تک کہ اس کا سانس بھی پھول گیا، نیز صبر کرنے والا آدمی جب اللہ کے لئے، مصیبت وآزمائش کے وقت، اُخروی ثواب کے ماسوا، قرب الٰہی کی اُمید میں مزید کافی تکالیف برداشت کرتا ہے تو اس پر صبر کرنا اور دُکھ برداشت کرنا آسان تر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے رب کا یہ فرمان سن چکا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَo (البقرہ:۱۵۳)

''بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور اسے یہ بھی یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَاo (الطور:۴۸)

''اور اے محبوب آپ اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہیں کہ بیشک آپ ہماری نگہداشت میں ہیں''۔

اسی طرح ہر مقام کا آدمی اپنے تقرب الی اللہ کے مطابق اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام تر خوبیاں یقین کے ثمرات ونتائج ہیں، اوران خوبیوں کے مالک ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں توقع کی جاسکتی ہے کہ وہی واصل باللہ ہوکر اپنے اصل مرجع کو لوٹیں گے۔

لیکن عام لوگ ٹوٹی ہوئی امید کے ساتھ اللہ کے اوامر ونواہی پر حتی المقدور عمل کرتے ہیں مگر اِن کے اعمال عقائد او افکار کئی معیوب چیزوں کی آلائش میں لتھڑے ہوتے ہیں اسی لئے یہ عرفان حقیقت سے محروم رہتے ہیں۔

صدقِ اُنس کی دلیل میں ذیل کا واقعہ خصوصی نوعیت کا حامل ہے:

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ آپؓ اس وقت طوافِ بیت اللہ فرما رہے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام تو وصول کرلیا مگر نہ ہاں کی اور نہ ہی نکاح سے انکار فرمایا۔ اس کے بعد ان کی عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: ''آپ نے میرے ساتھ اس وقت بات کی جب کہ میں مصروفِ طواف تھا، اور ہم دورانِ طواف میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے (اسی لئے میں نے پیغام وصول کرلیا اور اس کا کوئی جواب نہ دیا) گویا اللہ سے محبت رکھنے والا شخص اُس چیز کو دیکھنے کا مشتاق ہوتا ہے جس کا اشتیاق اس کے محبوب (اللہ) کو بھی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ الوحد بن زید البصری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عاصم شامی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، ''کیا تمہیں ذات باری کا اشتیاق حاصل ہے؟'' ابو عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا، ''اشتیاق ہمیشہ اُس چیز کا ہوتا ہے جو نظر سے غائب ہو اور جب غائب چیز سامنے آجائے تو پھر اشتیاق کس کا؟'' یہ سن کر، عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے'' آج سے

میں نے بھی اشتیاق کو خیر باد کہا"۔

داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ راہ طریقت کے امام تھے آپؒ ایک روایت میں فرماتے ہیں:

"اشتیاق اس کا ہوتا ہے جو نظر سے مخفی ہو"۔

اس قول کی تائید ایک اور عارف کے قول سے بھی ہوتی ہے، عارفوں اور صوفیوں کے مندرجہ بالا اقوال قرب الٰہی کے سبب حاصل ہونے والی حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں، گویا وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی معیت میں رہتے تھے اور جب انہیں شاہد کی معیت حاصل ہو چکی تو اللہ ان سے پوشیدہ کہاں رہے گا؟

اور یہ اقوال سابقہ اس حقیقت کے ترجمان ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے ساتھ اُنس رکھنے والوں پر سکون و اطمینان اور رحمت و راحت کا فیضان عام کر دیتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر وہ کس طرح قرب الٰہی کی معراج حاصل کر گئے یعنی خدا سے واصل ہو گئے؟

اللہ کو اپنا مقصودِ حقیقی سمجھنے والے اور اسی کے دامن تقرب میں پناہ ڈھونڈھنے والے شخص کے دل میں ذکر خدا اور اس کے قرب کی خواہش وجد کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ کسی مقام پر بھی لمحہ بھر کے لئے اپنی وجدانی کیفیت کو مفقود نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ دوسری تمام چیزوں کی نسبت اسے اپنے قرب میں زیادہ رکھتا ہے لیکن یہ آخری کیفیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ قربت الٰہی کے نور سے اس کا دل بھر گیا ہو۔ وہ اشیاء کا، مشاہدہ کرتا ہے تو قرب الٰہی کے نور سے ان کی حقیقت معلوم کر لیتا ہے۔

اس مضمون کی ایک روایت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"میں جب بھی کسی شئے کی طرف دیکھتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات اس شئے کی نسبت زیادہ قریب نظر آتی ہے"۔

مستأنس باللہ (اللہ سے اُنس کا شوق رکھنے والا) دنیا اور تمام دیگر مخلوقات سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے، علیحدگی اور تنہائی کے گوشے میں پناہ لینا پسند کرتا ہے۔ گھر تاریک ہو تو اسے چراغ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے گھر کا دروازہ چوپٹ کھول کر اس پر پردہ لٹکا

دیتا ہے۔قلب کو تنہائی کی مشق کراتا ہے، اور حقیقی مالک کی محبت میں اس کو ضم کرنے کیلئے
محنت کرتا ہے آخرِ کار وہ اللہ کا انیس (محب عاشق) ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کی بارگاہ میں
مناجات کرنے کے بعد بڑا سرور اور فرحت حاصل کرتا ہے اور وہ اپنے ان دوستوں کے شر
سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے جو رات کے سیاہ پردے میں چھپ کر چوروں کی طرح آتے
ہیں اور خلوت کی لذتوں کو گھٹا دیتے ہیں۔تُو اسے دورانِ نماز میں طلوع آفتاب کے سبب
متوحش بھی دیکھے گا اور تو محسوس کرے گا کہ لوگوں سے مل کر اس کی طبیعت بوجھل ہو جائے گی
اور بیزاری کا اظہار بھی کرے گا۔لوگوں کے ساتھ ملنا اور اُٹھنا بیٹھنا اس پر ایسے بوجھ ڈالتا
ہے جیسے صحت ناداں طبیعت پر گراں گزرتی ہے اور اس میں اس بندہ کا سراسر نقصان ہوتا ہے
رات کے آنے پر تمام لوگ میٹھی نیند سو جاتے ہیں ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے، اشیاء کے
حواس پر سکون طاری ہو جاتا ہے لیکن اس بندہ کے دل میں غم واندوہ کی ایک شورش بپا ہو گی۔
تنہائی اس کے غموں کو بپھرے ہوئے طوفان کی طرح بے قابو بنا رہی ہو گی، اس کا سانس
پھولتا چلا جائے گا۔گریہ وزاری کے سبب اس کی ہچکی بندھ جائے گی وہ اپنی تمناؤں اور
خواہشوں کی تکمیل چاہے گا اور جو الطاف اور اشارات روحانی غذا کے طور پر اس کو مرحمت
ہوئے تھے وہ دوبارہ ان کی طمع کرے گا اور وہ ایک حد تک اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو
جائے گا اور اس کے چند ایک ارمان بھی پورے ہو جائیں گے۔

جن مقامات پر عام سالکین گھبرا جاتے ہیں، مستانس باللہ ان مقامات پر پہنچ کر بالکل
امن کی حالت میں رہتا ہے اس کے نزدیک آبادی وویرانہ یکساں ہیں، زرخیز اور بنجر علاقے
مساوی، اور جلوت وخلوت (اجتماعیت وانفرادیت) دونوں کی حالتیں برابر ہوتی ہیں کیونکہ
اب اس پر قرب الٰہی کی نورانیت غالب آ چکی ہوتی ہے۔اللہ کے ذکر کی شیرینی وحلاوت
اس کے رگ وپے اور دل ودماغ میں ساری وجاری ہے، لہٰذا غلبۂ کیفِ قرب اور حلاوتِ
ذکر الٰہی کے سبب اس کے ظاہری وباطنی عوارض مغلوب رہیں گے۔

یہ ہے مقام اُنس کا ظاہری پہلو جسے الفاظ کے خاکہ میں اُتارنا ممکن تھا۔اکثر باتیں ہم

نے چھوڑ دی ہیں کیونکہ ان کا تعلق کتابوں سے نہیں وہ تو ان لوگوں کو بتائی جاتی ہیں جو ان کے قابل ہوں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تتمۂ کلام

اے صدق اور اس کی شرح کے متعلق تفصیل پوچھنے والے (ابوسعید خرازؒ)! آپ جان لیں کہ میں نے آپ کے سامنے جو کچھ بیان کیا ہے یہ صبر، صدق اور اخلاص کے ظاہر ہی سے متعلق تھا۔ ان سے ناواقفیت برتنا اور انہیں عمل میں نہ لانا بڑا نقصان دہ ہے اور جو مرید راہ ہدایت پر چلنے کا متمنی ہے اس پر خصوصی طور سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کی واقفیت حاصل کرے اور انہیں اپنا معمول بنائے۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہری علم اور عمل کی قوت وتوفیق مل جاتی ہے۔ جب کوئی شخص اپنے علم وعمل پر اپنی صداقت کی مہر ثبت کرتا ہے تو اسے اللہ کی رحمت اور اپنے عمل کا ثواب بہم پہنچتا ہے اور یہ اس کے لئے اللہ کی طرف سے خیر کثیر ہے۔ بعض لوگ مذکورہ بالا واقعات اور مقامات میں اپنے عمل کی سچائی پیش کرتے ہیں جس کے سبب انہیں جلد اس دنیا میں ایک بلند مقام ولایت عطا ہو جاتا ہے اور انہیں معرفت الٰہیہ میں بڑا اونچا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ رحمت وراحت اور نعمت ومعرفت الٰہیہ کے علاوہ قرب الٰہی کے حصول میں کامیاب ہوتے ہیں اور انہیں بزرگی کے اس مقامِ تک پہنچا دیا جاتا ہے جس کی توصیف وتشریح احاطۂ قلم سے باہر ہے۔

ایک عارف کا قول ہے:

''اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بزرگی کا ایسا مقام عطا فرماتا ہے جس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی، نہ دنیا میں نہ آخرت میں''۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۝ (السجدہ:۱۷)

''تو کسی کو معلوم نہیں جو اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے''

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''ان نیک لوگوں کو ایسی ایسی نعمتوں سے مالا مال کیا جائے گا جو کسی آنکھ نے

دیکھی ہوں گی اور نہ کسی کان نے سنی ہوں گی اور نہ ان کے بارے میں کسی (آدمی کے) دل پر کوئی خیال ہی گزرا ہوگا''۔[۱]

اسی طرح ہر آدمی کو اس کے مرتبہ کے لحاظ سے نوازا جاتا ہے اور نوازا جائے گا۔

بعض اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے نہ ختم ہونے ولا ثواب اور جنت کی نعمتیں ہی حاصل ہوں گی اور بعض کو قرب الٰہی، فراوانی احسان اور اس کی طرف دیکھنے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''اہل جنت میں سب سے ادنیٰ درجہ اس کا ہے جسے اپنی بادشاہی کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دیکھنے کیلئے دو ہزار سال کا عرصہ درکار ہوگا''۔

بعض صلحاء وجہ اللہ کا دیدار ایک دن میں دو بار کریں گے۔ یہ کہنا کہ مختلف احوال وصفات کے حامل اولیاء وصلحاء قیامت میں مساوی المرتبہ ہوں گے اور وہ دنیا میں بھی ہم مرتبہ تھے خواہ علمی لحاظ سے، ایک حماقت ہے، کیونکہ فرمان ایزدی ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ ؀ (بنی اسرائیل:۵۵)

''اور بے شک ہم نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی''۔

انبیاء کو تمام مخلوقات پر جو شرف وتفضّل حاصل ہے انہیں خدائی علم اور معرفت الٰہیہ کی بنا پر ہے۔ تفاوتِ درجات کے لحاظ سے صالح آدمی دنیا وآخرت دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے، اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

مستأنس باللہ کے احوال باطنیہ کا ذکر

ابو سعید خراز فرماتے ہیں! میں نے اُس عارف ربانی سے عنوان بالا کے ضمن میں یہ سوال کیا، ''کیا بندہ پر کبھی یہ کیفیت بھی طاری ہوتی ہے جس میں اسے صدق کی مزید طلب نہیں رہتی اور اس سے اعمال کی زحمت، اخلاص کا بوجھ اور صبر کی کوفت ساقط ہوجاتی ہے؟ اور

---

[۱] دیکھو ریاض الصالحین صفحہ ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۷۰

کیا وہ صدق کو اپنا معمول بنالیتا ہے یہاں تک کہ اُسے، مشغولیت فکر و ذکر اور برداشتِ رنج و الم کے بغیر ہی وہ سب مقامات حاصل ہو جاتے ہیں جن کا ذکر آپ نے فرمایا ہے"۔

اس عارف نے جواب دیا: ہاں! کیا آپ نے وہ حدیث نہیں سنی جس میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ:

"جنت مکروہات کے پردہ میں چھپا دی گئی ہے اور دوزخ شہوات میں پوشیدہ رکھی گئی ہے[1]"

ایک مشہور مقولہ کے الفاظ ہیں:

"سچائی وزنی اور خوشگوار ہوتی ہے اور جھوٹ بے وزن اور ناگوار ہوتا ہے[2]"۔

دنیائے فانی کی محبت، اس کی آسائش و خوشحالی کی اُلفت، اتباع حق اور اس پر کماحقہ عمل کرنا نیز صدق و اخلاص کو ہاتھ سے نہ جانے دینا ایسے رستے ہیں جن میں نفس انسانی عجیب طرح سے جکڑا ہوا ہے۔ اور یہ سارا ڈرامہ نفس کی پسند کے خلاف ہے۔ سو جب بندہ کو اللہ کی ذات سے عقلی بصیرت کا نور عطا ہوتا ہے اور وہ بھانپ جاتا ہے کہ دارِ فنا کو چھوڑ کر اُسی عظیم مقصد کی دعوت پر لبیک کہنی چاہئے جس کی طرف اللہ تعالیٰ بلا رہا ہے اور دل میں آخرت کی رغبت و محبت اور اس کا شوق بھی وافر مقدار میں ہونا چاہئے تو اس کے بعد وہ صدق کے راستے پر چلنے کے لئے ہر قسم کی ناگوار تکالیف و مصائب برداشت کر لیتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو رنج و محن کا عادی بنا دیتا ہے اور اللہ کے سوا کسی سے مدد طلب نہیں کرتا۔ پھر اللہ تعالیٰ بندہ کے صدق، خلوص اور اعمالِ صالحہ کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ بندہ اس کی نظروں میں محبوب ہو جاتا ہے۔ منقبض طبیعت ہو تو اس میں انبساط کی خوشبو لہک اُٹھتی

---

[1] ریاض الصالحین صفحہ ۶۲ حدیث نمبر ۶ باب المجاہدہ۔

[2] حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِیْنَۃٌ وَالْکِذْبُ رِیْبَۃٌ اب یہ عرب کی مشہور ضرب المثل بن چکی ہے (ریاض الصالحین: باب الصدق حدیث نمبر ۲ صفحہ ۳۹ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ہے، خدائے قدوس اس پر اپنے لطف وکرم کے مُن برساتا ہے اور اس کی تمام تر مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اس کی تکلیف حلاوت میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس کی خشونت نرمی اور شفقت میں بدل جاتی ہے۔ اب وہ بآسانی رات کو قیام کر سکے گا اور اللہ کے ہاں مناجات کرنے اور خلوت میں اس کے حضور اس کی خدمت کے فرائض انجام دینے کا ثمرہ اسے یہ ملے گا کہ وہ ظاہری روحانی کوفت جھیلنے کے بعد سکون وخوشحالی پالے گا۔ گرمی کے دنوں کے روزے اور پیاس کی شدت اسے تنگ نہ کرے گی کیونکہ اُسے وہ جام شیریں پلا دیا جاتا ہے جس کی اسے مدتوں سے طلب تھی، یعنی خدا کی خاص مہربانی اور کرم گستری۔ نیز ہر مقام پر بندہ کے اخلاق و عادات میں نرمی اور اچھی خاصی تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے کیونکہ وہ تائید الٰہی کا محل ہے، اس لئے اسے نیکی کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اس کی لافانی اور ابدی روح پرسکون اور ساکت وصامت ہو جاتی ہے، عقل جلا پاتی ہے۔ سچائی کا نور اس کے دل میں بھر جاتا ہے اور وہ اس نور سے مالوف و مانوس ہو کر حرص وہوا سے ظاہراً و باطناً پاک وصاف ہو جاتا ہے اس کے قلب کی ساری تیرگی چھٹ جاتی ہے۔

یہ ہے صدق کا وہ کیف جو دل پر طاری ہوتا ہے، اس کیف کے ذریعہ سے صدق کے تمام تر کوائف وصفات بندہ کے دل میں یوں رچ بس جاتے ہیں گویا یہ اسے طبع زاد ملے تھے اور اب انہیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اچھا نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اسے کسی اور طرف سے تسکین فراہم نہیں ہوتی جو کسی کو قانع بنا سکے (اس لئے وہ صدق کے مذکورہ بالا احوال و صفات کو اپنے دل میں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن شیطان اور دنیاوی حشمت کے طلبگار اُس کے لائحۂ عمل کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں)۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندۂ سالک کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ اس کے دشمنوں (شیطان) کے مکروفریب از خود کمزور وضعیف پڑ جاتے ہیں اور ان کی تمام تر کوششیں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے ہتھیار (وساوس وخطرات اور خوشامد) بھی صدق کے اس سالک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ وساوس وخطرات کے پیچھے باطل واہمہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

سالک جب بزرگانِ سلف کے اخلاق و وظائف کو اپنے لائحۂ عمل میں داخل کر لیتا ہے تو اس کا نفس منقاد و مطیع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْؕ ۝ (یوسف:۵۳)

''بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے''

انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے نفوس پر اللہ کی رحمت کا سایہ اور اس کی حفاظت کا پہرہ لگا رہتا ہے۔ اسی طرح ہر مومن پر اللہ کی رحمت و حفاظت اس کے ایمان کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندہ کو صدق کی منزلوں میں زیادہ پریشان نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اعمال اس کی جان پر بوجھ ہوتے ہیں۔ فی الحقیقت مومن صدق کیلئے، صدق پر بطریق احسن عمل کرتا ہے بلکہ بغیر مشقت اُٹھائے وہ صدق کی منازل بدستور طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں کہیے کہ صدق ہی اس کے لئے تمام تر نعمتوں کا خزانہ لازوال اور روحانی غذا کا ابدی سوتا ہے۔ اگر یہ منزل صدق کو چھوڑ دے تو وحشت میں گرفتار ہو جائے گا اور یقیناً وہ صدق کو مفقود پا کر گھبرا اُٹھے گا۔ گویا صدق اور اس کے صفات، بندہ صدق شعار کی عادت ثانیہ بن چکے ہیں، اور وہ ان کے علاوہ کسی اور شئے کو پسند کرتا ہی نہیں کتاب و سنت میں بے شمار ایسے شواہد موجود ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (العنکبوت:۶۹)

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ضرور ہم انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور یہ بھی فرمان ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ

الَّذِیْ ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّ لَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْ فِهِمْ اَمْنًا ط یَعْبُدُوْنَنِیْ لَایُشْرِ کُوْنَ بِیْ شَیْئًا٥ (النور:۵۵)

''اللہ نے وعدہ فرمایا اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے کہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا جس طرح ان لوگوں کو خلافت دی جو اُن سے پہلے تھے اور مضبوط کر دے گا ان کے لیے ان کا وہ دین جسے اللہ نے ان کے لیے پسند فرمایا اور ان کے خوف کے بعد ان کی حالت کو ضرور امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے''۔

مزید ارشادِ الٰہی ہے:

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ وَنُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ٥ (القصص:۵،۶)

''اور ہم چاہتے تھے کہ احسان فرمائیں ان لوگوں پر جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے اور ہم انہیں پیشوا بنائیں اور انہی کو وارث کر دیں''۔

اللہ پاک پھر فرماتے ہیں:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا٥ (السجدہ:۲۴)

''اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے جب کہ انہوں نے صبر کیا''

''ہم نے نفوس بشریہ کے مجاہدہ و ریاضت کا طریق کار مقرر کرنا چاہا تو ہم نے انہیں صدق پر کماحقہٗ عمل کرنے کی تلقین کی''۔

اس کے بعد بندہ کو معرفتِ الٰہیہ حاصل ہو جاتی ہے (یعنی بعد از صدق) اور احادیث نے اس تفسیر کی اکثر مقامات پر تائید کی ہے۔ مثلاً

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ طٰہٰ حبشیہ زبان میں یَا رَجُلُ! اے مرد کے معنی میں بولا جاتا ہے اور ''اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی'' میں لِتَشْقٰی کا مطلب بیان کرتے ہیں ''اَیْ لِتَتْعِبَنِی بِہٖ'' ''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اٹھائیں'' کی تفسیر میں آپؓ فرماتے ہیں یہاں لِتَشْقٰی سے مراد ہے تکلیف و زحمت اُٹھانا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب راتوں کو شکر خداوندی میں طویل قیام کرنے شروع کر دیئے تو آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے تھے؟۔ اس آیت میں (اور سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات میں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو نفلی عبادت میں تخفیف کا حکم دیا۔

۲۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مہینہ مہینہ یا اس سے کچھ دِن اُوپر تک غارِ حرا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے۔[1]

۳۔ روایات میں آیا ہے کہ آغازِ تبلیغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے ساتھ ایک پہرے دار رکھتے تھے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ:۶۷)

''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پہرہ ہٹا دیا تا کہ قولِ الٰہی کی عملاً تصدیق ہو سکے۔ آپ نے فرمانِ الٰہی پر اعتماد کیا اور آپ کو فوراً سکون قلب مل گیا۔ اسی طرح مومنوں کو بھی ضعفِ ایمان کے بعد یقین کا درجہ عطا ہو جاتا ہے۔

۴۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں جانا اور راستہ بدل کر مدینہ منورہ کی طرف چلے جانا، غیر موافق حالات کے سبب تھا جو اللہ کی طرف سے آپ کی آزمائش کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت آپ صبر و مجاہدہ میں تھے، بعد ازاں جب آپ مدینہ میں پہنچے کچھ عرصہ بعد قریش مکہ مقام اُحد پر آپ

---

[1] تاریخ ابن ہشام صفحہ ۱۵۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبرد آزما ہوئے۔ آپ کے متعدد اصحاب شہید ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک بھی ٹوٹ گئے اور چہرۂ انور خون آلود ہو گیا۔

راہ حق میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے تدبیر اختیار کرنا سنت نبوی ہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ٹھہرا کہ وہ محنت اور جاں فشانی سے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت کلمۂ تہلیل **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کا ورد کرتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ قربانی کے جانور عمرہ کی غرض سے ساتھ لے لئے، مگر قریشِ مکہ نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکا، مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حدیبیہ پر فروکش ہو جانے کو مناسب خیال کیا اور پھر (صلح حدیبیہ کے بعد) حرم میں داخل ہوئے بغیر واپس مکہ چلے گئے۔

پھر دیکھیں، اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش کا سلسلہ کس طرح ختم ہونے کو آتا ہے، آپ بتائید الٰہی کس شان و شوکت کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں! یہاں کے جو لوگ مقابلہ میں اُترے انہیں قتل کر دیا اور بعد میں جسے چاہا معاف کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا اور پورا مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ ۝ (الفتح: ۱،۲)

"بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ آپ کیلئے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے خلاف اُولیٰ سب کام"

۵۔ اب دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنے عظیم المرتبت نبی ہو گزرے ہیں۔ آپ کو جن بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ذرا ان کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔ آپ اپنی والدہ کے بطن سے تولد پذیر ہوئے ہی تھے کہ فرعون نے تمام نومولود لڑکے اور لڑکیوں کے قتل کا حکم نافذ کر

دیا تا کہ اس کے فرعونی اقتدار کے زوال کا سدِ باب ہو جائے مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ فرعون کا یہ فعل اس کی رعایا پر تو ایک زبردست عذاب بن گیا (اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام) کو محفوظ و مصون رکھا۔ پھر اللہ کے فرمان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے تو انہیں خدا کی طرف سے یہ وحی ہوئی:

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ٥ (القصص:۱۸)

''تو صبح کی اس شہر میں ڈرتے ڈرتے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے''۔

اِنَّ الْمَلَاَیَاْ تَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ٥ (القصص:۲۰)

''بے شک دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جایئے میں آپ کا خیر خواہ ہوں''

موسیٰ علیہ السلام اس اشارۂ الٰہی کے مطابق شہر سے نکلے مگر ڈرتے ڈرتے اور اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ٥ (القصص:۲۱)

''اے میرے رب مجھے ستمگاروں سے بچالے''

اے صاحب ارادت! اللہ کی جانب سے بزرگ مقام کے طلبگار! باوجود اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کے تجھے یہ علم نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تک اپنی رفیقۂ حیات بھی نہ ملی جب تک آپ نے بکریاں نہیں چرالیں اور حضرت شعیب علیہ السلام (شیخ کبیر) کی دس سال تک خدمت نہیں کرلی۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا، شرف ہمکلامی سے بھی نوازا اور اپنی برہان کو آپ پر واضح کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے اوّل الذکر کی حوصلہ افزائی میں یوں فرمایا:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی٥ (طٰہٰ:۴۶)

''فرمایا اندیشہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا''

اللہ تعالیٰ نے جب ان دونوں نبیوں کو لَا تَخَافَا (تم دونوں مت ڈرو) کے جملے سے خطاب فرمایا تو کیا واقعی وہ دونوں اپنی قوم سے ہراساں تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لئے عصاء (اور ید بیضا وغیرہ) کا معجزہ ظاہر نہ کیا تھا؟ جس سے جادوگروں کے تمام مکرو فریب کھل کہ سامنے آ گئے، آخر ان دونوں نبیوں علیہم السلام نے فرعونی ساحروں اور لشکروں کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمنوں کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمایا حتیٰ کہ آپ کے دشمنوں کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔

۶۔ سُنیئے! یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انہیں کنویں میں ڈالا جائے گا، پھر انہیں چند کھوٹے درہموں کے بدلے میں فروخت بھی کیا جائے گا، ان کے بھائیوں کو ان سے کوئی رغبت اور تعرض نہ رہے گا تو یہ سب آزمائشیں آپ کو جھیلنا پڑیں۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو عزیز (مصر) کی بیوی (زلیخا) کے مکروفریب میں لاکر آزمایا گیا اور آپ کئی سالوں تک جیل میں قید رہے پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں پر غالب کر دیا، اور یوسف علیہ السلام پر اپنے براہین روشن فرما دیئے، انہیں زمین کے خزانوں (یعنی شاہی خزانوں و بیت المال) کا مالک بنا دیا۔

پس اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی آزمایا اور یہ سب کے سب آزمائشوں میں پورے اُترے۔ جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے اور چلانے والوں کو اپنا راہنما بنانا پسند کر لیا، اُس کے لئے مندرجہ بالا واقعات بڑے مفید رہیں گے۔

۷۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''عمر نے جس راہ کو اختیار کیا، شیطان کا ادھر سے گزر ہی نہیں'' (بہ الفاظ دیگر عمر کبھی بھی راہ راست سے بھٹک کر شیطانی راستے پر نہ گئے)۔

ایک اور حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

''بیشک شیطان، عمر (رضی اللہ عنہ) کا چہرہ دیکھتے ہی بھاگ جاتا ہے'' حالانکہ یہی عمر اسلام لانے سے پہلے لات وعزیٰ کے ذریعے شیطان کی خوشنودی کے اسباب فراہم کرتے رہے تھے''۔

لیکن اب کوئی شیطان یعنی کافر وملحد یا مشرک آدمی آپ کے مقابلہ کی جرأت نہیں کرسکتا، وہ آپ کو دیکھتے ہی راہِ گریز اختیار کرلے گا۔

دیکھیں! حضرتِ عمر (رضی اللہ عنہ) نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے آپ کو شرک وکفر کی آلائش سے پاک وصاف کرلیا اور خلوص نیت کے ساتھ بارگاہ الٰہی کی طرف جھک گئے۔ توحید ورسالت کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار کے علاوہ اپنے ظاہری عمل سے بھی دین حق کو تسلیم کرلیا۔ کیا آپؓ پر دشمن (شیطان) یا کسی باطل چیز (دنیاوی پریشانی یا وسوسۂ شیطانی) کا اثر رہا ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

۸۔ ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳ ہجری) سے روایت ہے کہ وہ بیس سال تک قرآن کی نعمتوں سے اس کی تلاوت کے ذریعے فائدہ حاصل کرتے رہے۔

ایک دانا کا قول ہے:

''ایک ایسا گروہ ہے جو صبر کی تلخیوں کو برداشت کرتے ہوئے اس کی تلخی کو بھول جاتے ہیں اور صبر انہیں شہد کی طرح میٹھا لگتا ہے''۔

ایک اور حکیم (عقلمند) کا قول ہے:

''ہر نیک کام کرنے سے پہلے (رکاوٹ کے لئے) ایک کٹھن مرحلہ پیش آتا ہے۔ اگر کوئی آدمی جرأت کرکے اس گھاٹی کو سر کرلے تو راحت سے ہمکنار ہو جائے گا۔ اور جو مصائب کی گھاٹیوں کو دیکھتے ہی خوفزدہ ہوگیا، ان کو سر کرنے کی کوشش نہ کی تو وہ اپنے مقام پر ہی رک جائے گا'' (یعنی نہ کرسکنے کے باعث وہ اپنے پہلے روحانی مقام پر ہی اٹکا رہے گا اور اس پر وقوف آجائے گا)۔

❁

سباب دوازدہم

آزمائش بہ قدرِ ایمان

میں (ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ) نے اُس عارف سے پوچھا، ''کیا مصائب اور آزمائشوں کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے؟''۔

وہ عارف فرمانے لگے: ہاں! امتحانات اور شدائد سے نمٹنا ناگریز ہے۔ ہر وہ آدمی جو اللہ کے نزدیک رفیع المرتبت ہے اور معرفت الہٰیہ کی دولت سے مالا مال ہے، اس کے لئے آزمائش اور مصائب ضروری ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک صحیح حدیث میں روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ کون کون سے لوگ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''انبیاء علیہ السلام، ان کے بعد صلحا اور پھر ان سے نچلے درجے کے''

اگر بندہ ضعیف الایمان ہو تو اسے ہلکی ہلکی آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کی قوت ایمان کے مطابق بہت سے کٹھن مصائب میں آزمایا۔ بعد میں ان پر کرامت کا نور (بخششیں) نازل فرمایا (یعنی انہیں تاج تکریم سے خصوصی طور پر نوازا) انہیں خبر دی کہ اللہ ہی نے انہیں نبوت و رسالت بخشی ہے۔ پھر اللہ نے ان پر کئی آزمائشوں کا بوجھ ڈالا جسے اُنہوں نے بصد خوشی اُٹھالیا، حتیٰ کہ وہ ہر آزمائش میں اللہ سے راضی رہے۔ انہوں نے اپنے نور بصیرت سے آزمائشوں کی اہمیت کو سمجھ لیا اور ان میں مبتلا ہو کر استقامت و صبر کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ حضرت حق سے ان کی نصرت و تائید ہونے لگی اور جس ثواب کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا، اُس نے اس ثواب کی رغبت ان کے دلوں میں ڈال دی۔ وہ صبر میں کامل رہے، اخلاص کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہ

چھوٹا۔ انہوں نے صبر و استقامت اور اخلاص و صدق کا عملی ثبوت فراہم کیا تب اللہ نے ان کی قدر کی، اور ان کے مقام کی صداقت پر تمام مخلوقات پر برہان ظاہر فرمادی۔ ان کے سبب کتنے ہی لوگوں کو خدائی علم و معرفت کی توفیق ارزانی ہوئی اور وہ انبیاء کی اقتداء میں اعلیٰ درجے کے مومنین میں شامل ہوگئے، سکون الٰہی نے ان کے دلوں کو اپنا مسکن بنالیا۔ پھر مومنین کی چند اقسام ہیں۔

مومنین کی اقسام اور مومنین کا تعلق باللہ

پہلی قسم: پہلی قسم میں ایسے مومنین کا ذکر آتا ہے جن کی ابتدائی تربیت حضرت حق سے نعمت و احسانات اور خصوصی بخششوں کے ذریعے ہوتی ہے، انہیں انابت الی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ نیکی انہیں محبوب ہوتی ہے، یہ آسانی کے ساتھ اطاعت الٰہی کے فرائض انجام دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ ان پر اپنے بے شمار احسانات فرماتا ہے۔ جب روح گہوارۂ قلب میں سکون پالیتی ہے اور اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سختی اور تنگی کے تابڑتوڑ حملوں کے ذریعے انہیں آزماتا ہے۔ اعمالِ صالحہ کی رغبت اور نیکی کے سبب پیدا ہونے والا سرورِ قلبی ان سے چھین لیا جاتا ہے (تاکہ آزمائش میں یہ اپنے یقین کی پختگی میں اضافہ کریں) لیکن اطاعت الٰہی انہیں پھر بھی گراں گزرتی ہے گو قبل ازیں یہ ان کے لئے بڑی آسان تھی۔ نیکی سے اُن کی طبیعت اُکتانے لگتی ہے۔ نشاط کی جگہ ان کے رگ و پے میں غفلت اور سستی نفوذ کر جاتی ہے، اور قلبی صفائی کی جگہ کدورت لے لیتی ہے۔ مومنین کے احوال و کوائف کی یہ تبدیلی انہیں آزمائش میں ڈالنے کی غرض سے ہوتی ہے (لیکن یہ استقامت، صبر، استقلال اور مجاہدہ و خلوص کے ذریعے آزمائشوں اور پریشانیوں کا مقابلہ نہ کرسکنے کے باعث) اپنے پہلے وظائف و اعمال سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اگر یہ مجاہدہ و صبر کو اپنا شعار بنالیں اور ناموافق حالات کی سختی و زحمت کو برداشت کرتے جائیں تو ساحلِ اُمید ایک نہ ایک دن انہیں ضرور اپنی آغوش میں لے لے گا۔ اس کے بعد

ظاہری و باطنی لحاظ سے نیکی کی طرف ان کی رغبت اور رجحان میں کئی گنا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

''شر کی طرف رغبت ایک وقت ضرور ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جو سنت نبویہ کی طرف مائل ہوا، نجات پا گیا اور جو بدعت کی طرف جھکا ہلاک ہو گیا''۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مبارک ہو ان کو جو ابتدائے اسلام ہی میں اس پر رغبت و شوق سے لبیک کہہ کر (اللہ کی راہ میں) دین اسلام کی خاطر شہید ہو گئے''۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے:

''میرے بندے کے دل سے حلاوت ایمان لے لو۔ اگر اس پر بندہ متاسف ہونے لگے تو اس کی حلاوت ایمانی اسے لوٹا دے اور اس میں اضافہ بھی کر دے، بصورت دیگر اس بندے کو چھوڑ دے''۔

حدیث شریف میں ہے:

''اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میرا ادنیٰ ترین کام یہ ہے کہ جب کوئی عالم (عارف) دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے تو میں اس کے دل سے وہ حلاوت اور سرور چھین لیتا ہوں جو اسے خلوت میں میرے حضور مناجات کرنے پر میسر تھا اور اُسے دنیا میں حیران و سرگشتہ بنا کر چھوڑ دیتا ہوں''۔

ایک اور حدیث میں یوں روایت ہے کہ:

''علم، معرفت اور بصیرت کے بعد اگر کوئی شخص دنیا کی طرف میلان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اس آدمی کے دل سے وہ حلاوت زائل کر دے جو اسے میری بارگاہ میں مناجات کرنے کے دوران حاصل ہوتی ہے اور اسے کچھ دنیاوی لذت و رعنائی کی محبت سے بہرہ اندوز کر دے، یہ دنیا میں مشغول ہو کر مجھے بھول جائے گا''۔

دوسری قسم: ایسے مومن اعمالِ صالحہ کو صدق قلب سے سرانجام دیتے ہیں اور اخلاقِ صدق پر ہمیشہ ان کا عمل رہتا ہے۔ صدق میں مشیت الٰہی کے مطابق یہ عملاً ثابت قدمی دکھاتے ہیں، حتیٰ کہ بارگاہ رب العزت سے انہیں کرامت (بزرگی) عطا ہو جاتی ہے۔ اس طبقہ کا مومن اللہ کی طرف سے بن مانگے ایسی ایسی نعمتیں پاتا ہے جو کبھی اس کے وہم وگمان میں بھی نہ آ سکتی تھیں۔ عام ابدال کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے، اسے بھی محبت بسیار اور عملِ کثیر کے بعد کرامات و آیات (اشارات ولطائف) حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں شروع کی منازل میں وہ کچھ عطا ہو جاتا ہے جن کے بارے میں یہ کبھی سوچ نہ سکتے تھے۔

تیسری قسم: تیسری قسم کے مومنین میں وہ شخص ہے جو طریقت کی روش کا مطالعہ کرتا ہے۔ آخرکار لوگ اسے کہتے ہیں، ''تم مومنین میں سے ہو''۔ یہ سن کر وہ شخص مومنوں جیسے خصائص اپنے اندر پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

چوتھی اور پانچویں قسم: چوتھی قسم کے مومنین اپنے عیب وصواب سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں، مگر دوسروں کے بارے میں انہیں کچھ علم نہیں ہوتا۔ پانچویں قسم میں جن مومنوں کا ذکر آتا ہے وہ شخصیت، نام اور خاندان سمیت لوگوں میں متعارف ہو جاتے ہیں۔

وہ عارف ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

اے سائلِ صدق وشرحِ صدق! صدق کے بارے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اگر آپ اس پر عمل کریں اور سلوک کے بیان کردہ مقامات ومنازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ اسباب مذکورہ کو بھی منقطع کر لیں تو راحت وسکون آپ کو حاصل ہو کر رہے گا۔ عصمت کا نور آپ کے گرد احاطہ بنا لے گا۔ آپ اسی ایک راستے پر چل کر خدا تک پہنچ سکتے ہیں جسے استقامت کا راستہ (صراط مستقیم) کہتے ہیں۔ وہ راستہ جسے طریقت کی شاہراہ کہنا چاہئے آپ کو ہزار بار مبارک۔ اگر آپ بصیرت کے نور سے اپنے تمام روحانی معاملات کو خوش اسلوبی سے سلجھانے کے قابل ہو جائیں۔

اگر صدق کے ساتھ ہر کوئی اپنی طاقت کے مطابق نیکی کے ہر مقام پر سرگرمی دکھائے

اور فرامین الٰہیہ کی تعمیل متواتر کرتا جائے، اپنے ظاہر و باطن کے معاملات کو اثر شیطانی سے محفوظ رکھے تو اللہ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس کی تمام کوششوں کو کامیابی سے سرفراز کردے جو وہ حصول قرب الٰہی کے لئے سرانجام دے رہا ہے۔

اے ابو سعید خراز! آپ کے عمل سے اللہ تعالیٰ پر یہ واضح ہونا چاہئے کہ آپ کو واقعی اللہ تعالیٰ کی سچی طلب ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کا کوئی سہارا نہیں آپ اسی لئے اسی کی بارگاہ میں پناہ لینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ آپ بارگاہ الٰہی میں کسی نہ کسی وقت بہ نیت صحیحہ اور بصد رغبت وشوق حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرلیں اور آپ کا یہ عمل اس بات کی گواہی دے کہ آپ اس سے بیزار نہیں ہورہے اور توجہ الی اللہ کی خاطر جو کوشش بھی آپ کریں، آپ اس سے اُکتا نہیں گئے، قطع نظر اس کے لئے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے یا نہیں، تو اللہ تعالیٰ آپ پر خیر و برکت نازل فرمائے گا اور کسی حد تک آپ کی آرزو بھی پوری کرے گا (بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ) وہ آپ کے دل کو ایک ہی بار اپنے طرف کھینچ لے گا۔ یقین کا نور آپ کے دل کو سکون سے بھر دے گا اور پھر آپ کا دل آخرت کا مشتاق بن جائے گا۔ آپ کی تمام پچھلی کوششوں کا نتیجہ بہتر صورت میں سامنے آئے گا۔ آپ کی روح جن تکالیف کی زحمت اور کشمکش میں مجروح و مغموم ہوچکی تھی یکسر ختم ہوکر مسرت وشادمانی کا پیغام لائیں گی۔ پھر خدا اور آپ کے درمیان بہت تھوڑا فاصلہ رہ جائے گا جسے آپ بذاتِ خود محسوس بھی کریں گے۔ اس کے بعد آپ کی زندگی میں مستقل مزاجی اور استقامت پیدا ہوجائے گی، آپ کا جینا بہت پاکیزہ ہوگا۔ مولا کریم کے خزانوں میں کبھی بھی کمی نہیں آسکتی اور نہ ہی اس کی بخشش و رحمت کی بارش کبھی تھمے گی۔

اللہ تعالیٰ کی صفت بھی یہی ہے کیونکہ وہ نیک عادل اور رحیم و مشفق ہے اور وہی نیکوں اور نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے۔

کتنی حیرانی کی بات ہے! اس بات پر سب کو حیرانی ہوتی ہے لیکن باوجود اس کے یہ اتنی حیران کن بات نہیں۔ مولا کریم جو چاہے کرسکتا ہے اور کرتا بھی ہے بلکہ حیران کن بات تو

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہمیشہ مہربان رہا ہے۔اس نے جب سے بنی نوع انسان کو اپنی تلاش میں سرگرداں بنایا تب سے وہ ان پر برابر شفقت کررہا ہے۔اس نے انسانوں کو اپنی طرف بلایا (انہیں اپنی معرفت عطا فرمانے کے لئے بہترین راستے کی دعوت دی)، انہیں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی تکلیف دی، اوران کو اپنی تلاش میں پیش آنے والے خطرات سے بچائے بھی رکھا۔اپنی رضا کے کاموں کی محبت انکے دل میں ڈالی، پھران کے اعمال صالحہ کو فعلاً اپنی ہی طرف منسوب کیا،ان کی عبادات کو شرف قبولیت بخشا اوران کی پارسائی و نیکوکاری کی تعریف بھی کی اور اپنے وعدہ کے مطابق انہیں نیکیوں کا اجرِ عظیم بھی عطا فرمایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے احسانات ہیں جنھیں اس کے بندے سمجھ نہیں سکتے بلکہ اُلٹا حیرت میں کھو جاتے ہیں۔

اے ارادت کیش سائل! غفلت کی نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ اگر اللہ نے کسی کو ''نیکی کرنے والا'' کہا ہے تو یہ محض ایک نام ہے اور جن کاموں کو اللہ نے بندوں کی طرف منسوب کیا ہے وہ چند ''امور'' ہیں۔کام کرنے کی استعدادِ حقیقی کی مالک تو خود اللہ کی ذات ہے۔ ہاں! توفیق اللہ ہی دیتا ہے۔وہ جب چاہتا ہے اپنی قدرت کے ایسے ایسے کرشمے ظاہر فرماتا ہے جو کسی اور سے ناممکن اور محال ہیں اور وہ جس کام کا ارادہ کرلیتا ہے اُسے انجام بھی دے دیتا ہے یہ اس کی شانِ کریمی ہے کہ جسے چاہتا ہے رحمت کے موتیوں سے اس کا دامنِ مراد بھر دیتا ہے۔ ہاں! اللہ کی معرفت رکھنے والے افراد ہی حالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ہر مشکل امر میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ یہ مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں کہ سب کچھ اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ آغازِ کار اسی سے تھا لہٰذا کام کا اتمام و اختتام بھی اسی کے ذمۂ کرم پر ہے۔تمام کاموں کے پیچھے اسی کا دستِ قدرت کام کررہا ہے۔اور سب کا مرجع اصلی اسی کی ذاتِ حقہ ہے۔وہی اوّل ہے اور وہی آخر بھی۔تمام حکم اُسی کا چل رہا ہے۔سنیئے! سب مخلوقات اللہ کی ہے۔اور امر بھی اسی کا۔ برکت والی ہے ذات اُس کی جو تمام جہانوں کی تربیت کررہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الاعراف:۵۴)

''جان لو اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا، اللہ پروردگار سب جہانوں کا''

ضعیف الاعتقاد لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کچھ کرنا ہے تو یہاں ہی کرنا ہے (اور وہ اخلاص وصدق کی طرف توجہ نہیں دیتے) افسوس! وہ صدق و اخلاص کو اپنا کر ہی اللہ تعالیٰ سے جزا طلب کر سکیں گے۔ یہ ہے مومنین کی علمی دسترس (اور ان میں سے بعض اخلاص و صدق سے عاری بھی ہوتے ہیں۔ والعلم عند اللہ) بہر حال اللہ کے ہاں مومنوں کے لئے بڑی خیر و برکت ہے۔

اُس عارف نے یہ بھی فرمایا: (اے ابوسعید خراز!) میں آپ کو ایک اور نکتہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ آپ اپنے نفس کی طرف برابر توجہ دیتے رہیں اور اس آدمی کی باتیں بغور سنیں جو آپ کو علم و معرفت اور سکون الی اللہ کی باتیں سنائے۔ اگر آپ نے معرفت حق کا جام نوش جان کر لیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو صفائے یقین کی نورانیت سے معمور کر دے گا جیسا کہ ازل سے اُس نے آپ کے حق میں فیصلہ کیا ہوا ہے۔ ابھی یہ بات آپ کے شعور میں بھی نہ تھی کہ آپ کو اللہ سے رشتۂ ارادت و عقیدت استوار کرنا ہوگا جبکہ اُس نے آپ پر اپنی بے بہا بخششوں کا ارادہ فرمایا۔ وہ آپ کو جانتا تھا قبل اس کے کہ آپ اس کو جانتے۔ آپ اُس وقت سے خدا کے علم میں ہیں کہ ہنوز آپ کے دل میں کبھی خدا کا خیال تک نہ گزرا تھا۔ اُس نے آپ کو پسند فرمایا، قبل اس کے کہ آپ اسے اپنا محبوب بناتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا بڑا شوق رکھتا ہے۔ آپ اس کی کثیر و جزیل نعمتوں کے بدلے میں اس کی محبت کو اپنے دل میں بٹھا چکے ہیں اور ہر کام میں رضائے خداوندی کو ترجیح دے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کی روح نے الطافِ الٰہیہ کے گہوارہ میں طمانیت ابدی حاصل کر لی ہے اور آپ کو قرب الٰہی بھی مل چکا ہے۔ جب آپ

کو یہ سب کچھ حاصل ہو گیا تو پھر خدا کے علاوہ آپ کو کوئی پناہ گاہ نظر نہ آئے گی آپ اسی کے قرب کو اپنے سکون کا سرمایہ سمجھیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ سے کسی لحظہ بھی مخفی و غائب نہیں ہو گا اور نہ ہی آپ اُسے کسی وقت مفقود پائیں گے، نہ آتے جاتے اور نہ کھڑا ہوتے اور نہ بیٹھتے وقت نہ بیداری میں نہ حالتِ نوم (سونے کی حالت) میں۔ وہ ہر وقت آپ کے ساتھ ہی رہتا ہے اور رہے گا۔ کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"(میں جب سوتا ہوں تو فقط) میری آنکھ سوتی ہے اور (لیکن) میرا دل نہیں سوتا وہ جاگتا رہتا ہے۔"

ابو سعید خراز فرماتے ہیں اسی طرح دوسرے مومنین کو بھی اپنے اللہ سے جس قدر گہرا تعلق ہو گا اسی قدر اُن کے دل نیند کی حالت میں بھی بیدار رہیں گے۔

سکونِ روحانی کی علامات اور واصل باللہ کے اوصاف

اے بندے! تیری شان کس قدر بلند ہے! اور کس قدر تیری خاطر و مدارات ہے! کہ خدائے وحید و صمد نے تجھے ہمیشہ یاد رکھا ہے۔ (اُس نے کسی وقت بھی تجھے بھلایا نہیں یعنی تجھے اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھا)۔ اُس نے تجھے خصوصی مقام بخشا ہے۔ تجھے اپنی محبت کا دیوانہ بنایا ہے تو یہ بھی تجھ پر اُس کا عظیم احسان ہے، کیونکہ تو نے اُسے مقام پر مقدم جانا اور وہی تیرا مقصود اور منتہائے عشق ہو گیا۔ تجھے جو کچھ حاصل ہے وہ انسانوں کے طفیل نہیں بلکہ یہ محض اللہ کی عطا ہے بندوں کے روحانی سکون کی علامت یہ ہے کہ ان کا مقصودِ حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا۔

۲۔ روحانی سکون کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل سے اپنی یاد اور محبت جو اس نے اس کے دل میں ودیعت کی ہے کو ضائع ہونے سے محفوظ کر لے اور بندہ کو یہ احساس دلائے کہ وہ کس حد تک اس کے قریب ہے۔ نیز بندہ پر اللہ کی رحمت و شفقت،

متواتر نزول کرتی رہے اور اس کی لغزشیں ساتھ ساتھ معاف ہوتی جائیں۔ پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ بندہ کے دل سے کامیابی اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کی تمام کوششوں کا میلان ختم ہو جائے گا ماسوا ایک جذبے کے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگزاری، اس کے حقوق کی ادائیگی اور ماسوا کو چھوڑ کر اسی کی الفت و محبت کے لئے آمادہ رکھتا ہے۔ یہ جذبہ بندہ کو مناجات، اللہ کی بندگی کی لذت اور اس کی مشیت کے مطابق اس کی عبادت کرنے کی شاہراہ پر گامزن کرتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی قدرت کے مناظر دکھائے۔ اسے اپنے احکامات کے اختلاف کی نوعیت و حقیقت سے آگاہ کرے تاکہ بندہ کو ان کی اصلیت حقیقت کا پتہ چل سکے۔ اس منزل تک پہنچ کر بندہ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قریب کس حد تک ہے، اب وہ نہ تو اپنے جذبات سے مغلوب ہوگا اور نہ ہی اس کے دل میں کسی اجر و ثواب کی مزید طلب ہی باقی رہے گی، جیسے کہ اکثر عابدوں اور زاہدوں میں پائی جاتی ہے۔ بندہ کو اللہ کی محبت اور اس کے فضل کی خاطر اعمالِ صالحہ انجام دینے چاہئیں، چونکہ اُس نے انسانوں کو تخلیق کیا ہے۔ لہٰذا انہیں اعلیٰ قسم کے اخلاق و عادات اپنانے چاہئیں اور توفیقِ کار تو خدا ہی دیتا ہے۔

اُس عارف نے مزید یہ بھی فرمایا: اے ابوسعید خراز! آپ کا سوال یہ تھا کہ بندہ پر کیا ایسی حالت بھی وارد ہوتی ہے جس میں اس کے دل سے صدق کی طلب مفقود ہو جاتی ہے؟ تو سنو

۴۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ طلب صادق علامت ہے ہر اُس عارف کی جو واصل باللہ ہو چکا ہے، یا ابھی اس کوشش میں ہے۔ اے مریدِ صادق! کیا یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہے کہ ورع، زُہد، صبر، توکل، خوف و رجاء، مراقبہ و حیا، محبت و شوق، اُنس اور ہر موقعہ پر صدق و اخلاص کا دامن نہ چھوڑنا اور خوش اخلاقی میں بھی اسی حکمت عملی کو اختیار کرنا بندے کو ان مقامات تک پہنچا دیتے ہیں جو محض اللہ کی خاطر اعمال صالحہ انجام دینے والوں کو عطا ہوا کرتے ہیں۔ پھر وہ ان مقامات کو بھی چھوڑ کر ان سے ارفع و اعلیٰ منازل کی طرف پر تولتے

ہیں حتیٰ کہ یہ اپنے مقصدِ اصلی تک پہنچ جاتے ہیں، اور وہ ہے مولا و آقا کا قرب۔ آپ کے حق میں روحانی منازل کا تذکرہ اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپ اپنے مقصد اصلی کو حاصل کرنے کی تڑپ نہ رکھتے ہوں، اگر آپ اپنے بعض مقاصدِ روحانیہ میں کامیاب ہوگئے تو آپ کی حیثیت اللہ کا مشاہدہ کرنے والے کی سی ہوگی۔ اس وقت آپ کا فرض ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف مزید قدم بڑھائیں اور اپنی نگاہیں اسی کی طرف جمائے رکھیں اور دل کے کانوں کی کھڑکیاں بھی کھول کر اللہ تعالیٰ کے احکامات و ارشادات کو سنیں، کیونکہ آپ کی روح آپ کے بدن کے اتنی قریب نہیں جتنی کہ خود خدا کی ذات آپ کے قریب ہے۔ پس آپ محض صدق کی باتیں سننے اور سنانے سے کیا حاصل کریں گے۔ یقین مانئے کہ صدق، طالبینِ حق کی روحانی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

اس کے بعد آپ کے اور آپ کے اللہ کے درمیان جو دروازہ پہلے بند تھا، اب اگر وہ کھل چکا ہے اور آپ کے دل پر جو پردے پڑے تھے وہ ہٹ گئے ہیں، آپ کو قرب الٰہی بھی اور مقام اُنس بھی حاصل ہو چکا ہے تو اب آپ اس بات کی طلب میں حق بجانب ہیں کہ آپ کو ایک حد تک اپنے مقصد حقیقی میں ضرور کامیابی ہو اور سکون قلبی فراوانی کے ساتھ عطا ہو۔ دوسرے طالبان حق کی طرح اگر آپ نے صدق اور اس جیسے دیگر اُمور کی طلب اپنے اندر محسوس نہ کی، کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کا بیحد قرب آپ کو حاصل ہے اور خدا کی طرف آپ اچھی طرح راغب ہیں تو جان لیں آپ کی یہ عدم طلب کی کیفیت ہی عارفانِ خدا کا مقصود ہے (جو آپ کو میسر ہو رہا ہے) غور سے سمجھ لیں، یہ بات آپ کے لئے اور دیگر طالبانِ حق کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اسے اپنے لئے سامانِ فریب نہ بنالینا اور جان لیں کہ واصلین خدا اور اہل قرب وہی لوگ ہیں جنھوں نے حقیقتہً محبت الٰہیہ کا مزہ چکھ لیا ہے۔ اور وہ اپنے مالک و آقا (خدا) سے فیض حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کے اوصاف ہیں ورع، زُہد، صبر و شوق، اُنس و اخلاق حسنہ، یہاں کلی طور پر ان لوگوں کے اوصاف ضبط تحریر میں نہیں لائے جاسکتے

اور نہ ہی ان کی نیکی وفیاضی کا تذکرہ ممکن ہے۔علاوہ بریں انہیں کوئی دوسری چیز اچھی لگی ہی نہیں۔گویا مذکورۃ الصدر صفات کو وہ اتنی خوش اسلوبی سے اپنا رہے ہیں کہ اب ان کی طبیعت ان کے موافق ہوگئی ہے۔ان صفات کے حصول کے بعد انہیں اپنے وظائف واعمال کی بجا آوری میں کسی تکلیف کا احساس کسی وقت بھی نہیں ہوتا، کیونکہ یہ اوصاف ان کی روحانی غذا بن چکے ہیں۔انہیں فرائض مذہبیہ کی ادائیگی بوجھ نظر نہیں آتی اور نہ ہی انہیں (کسی روحانی تکلیف کے ازالہ کی خاطر) کسی علاج کی ضرورت پڑتی ہے،اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ دل پر اللہ کا فیضان اور اس کا نورِ قرب غلبہ کر جائے۔

پس یہی ہیں وہ لوگ جو فرائض کی بغیر کسی تکلیف کے پابندی کرتے چلے جاتے ہیں۔ گو انہیں اپنے ظاہری اعمال کی اتنی پرواہ نہیں ہوتی۔کیونکہ خدمت اور عملِ ظاہر کا تعلق اعضاء سے ہے۔

اے سالک طریقت! اچھی طرح سمجھ لیجئے۔کیا مومنوں کے دل مسلسل زحمت اُٹھانے کے سبب کمزور پڑ جاتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہی رہتے ہیں کیونکہ اللہ کا قرب،شوقِ وصال،خوف اور اس کی عظمت وجلالت،مومنوں کے دلوں پر مسلط ہو جاتی ہے۔اے راہ حقیقت کے رہبرو! میں نے جو باتیں آپ کو بتائی ہیں انہیں اچھی طرح سمجھ لیں۔ان میں تدبر اور غور وفکر سے کام لیں،ان شاء اللہ آپ انہیں واضح اور درست صورت میں پائیں گے۔

عقل وہوش کی معیت میں خاطر جمع رکھیں اور علم سمعی سے پرہیز کریں۔کیونکہ آپ اب اس مقام سے آگے نکل چکے ہیں جس میں آپ کو ظاہری علم کا افہام اور اس کی تفہیم ضروری تھی۔اب سابقہ علم ومعرفت دین کے بعد (مزید حصولِ علم کے لئے) آپ کا کوئی عذر قبول نہیں، بلکہ اب توجیت الٰہیہ آپ کے سامنے پوری طرح کھل کر آ چکی ہے۔اب آپ کا یہی کام ہے کہ آپ اپنے دنیاوی اُمور سے دامن جھٹک کر خدا کی طرف متوجہ رہیں (خلوص کے ساتھ اعمال کو سرانجام دیں) شاید آپ کو فلاحِ آخرت نصیب ہو جائے اور اس

دنیا میں معرفت الٰہیہ سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔

ہاں! تو اس کے بعد آپ کو دائمی حزن و ملال میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔ معرفت اور وصال الٰہی سے پہلے کے تمام تر کرب و الم کی نسبت اس دفعہ آپ کے آلام و شدائد کئی گنا بڑھ جائیں گے۔ اس کی تصدیق قرآن و سنت سے بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۝ (فاطر:۲۸)

''اللہ کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''میں تم سے زیادہ معرفت الٰہیہ رکھتا ہوں اور تم خدا سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں''۔

یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی کا ارشادِ پاک ہے:

''جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو یقیناً تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ اور تم طلب خدا میں پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ''۔[1]

دریائے معرفت کے شناوروں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اگر چہ ایسا آدمی مادی دنیا سے بھی وابستہ رہتا ہے لیکن پھر بھی اللہ کی تائید و نصرت ہمیشہ ہر مقام پر اس کے ساتھ رہتی ہے برعکس عام دوسرے لوگوں کے، ہر طالب و عارف کے معاملہ کو بھی اسی بیان کردہ اُصول کے مطابق قیاس کرنا چاہئے۔ ہماری اِن باتوں میں راہ سلوک کے ذہین اور حق پسند لوگوں کے لیے بڑی صحیح رہنمائی ہے، اور توفیق اللہ ہی دیتا ہے۔

ابو سعید خراز (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں میں نے یہ سوال بھی اُٹھایا کہ:

بندہ کس وقت اپنے مولیٰ کے احکام سے قلبی طور پر مانوس ہو جاتا ہے؟ اور کب اسے اپنی تدبیر و اختیار میں مکمل سکون کی ضمانت دی جاتی ہے؟

---

[1] صحیح بخاری کتاب الکسوف: باب نمبر ۲

مومنوں کے دو مختلف مقامات

سوالِ اس کے جواب میں ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے مسؤل عارف نے فرمایا کہ مومن لوگوں کے دو مقامات ہیں۔ ذرا غور سے سن لیجئے۔

مقام اوّل اُن لوگوں کا ہے جو اپنے مولا کریم کے احکامات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور اپنی اس روش میں سرمست و شادمان رہتے ہیں تاکہ وہ پابندئ اعمال کے ذریعے اپنے مولا سے فیضان حاصل کرسکیں۔ یہ طریقِ کار نہایت عمدہ ہے اور اس میں بڑی خیر و برکت ہے۔ لیکن اس مقام پر بندہ کبھی تو استقامت اور ثباتِ عزم کا مظاہرہ کرتا ہے اور مصائب میں گھر جانے کے باوجود انتہائی صبر و سکون سے کام لیتا ہے تو کبھی یہ جزع فزع شروع کردیتا ہے۔ کبھی اس پر انبساط کا رنگ چھا جاتا ہے تو کبھی اسکی طبیعت منقبض ہوجاتی ہے۔ کبھی وہ ایک منزل کے بعد دوسری منزل عبور کرتا چلا جاتا ہے تو کبھی یہ مقام رجوع میں ہوتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام و رحمت سے حِظ وافر اٹھاتا ہے، مگر اس سلسلے میں اسے کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

دوسرے مقام کے لوگ بھی احکام الٰہیہ سے مانوس و مالوف رہتے ہیں اور آزمائش کی تلخی کو جام شیریں سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ انہیں اپنے حسن تدبیر اور خوبی اختیار پر مکمل اطمینان ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حسنِ تدبیر اور خوبی اختیار دونوں ان مؤمنین کے نفسانی رُجحان کی آلائش سے پاک ہوتے ہیں۔ جب ایک انسان اپنے آقا و مولا سے الفت رکھتا ہے، اس کے ذکر میں مشغول و مانوس رہتا ہے اور دونوں عبد اور معبود ایک دوسرے کے چاہنے والے ایک دوسرے سے راضی ہوجاتے ہیں تو پھر اے سائل! کیا عاشق اپنے محبوب کے حکم کی تعمیل میں کسی بیزاری کا اظہار کرے گا؟ یہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ اُسے اپنے محبوب یعنی اللہ کی طرف سے سُرور و خوشی کے علاوہ کئی باطنی نعمتیں ملتی ہیں۔ ایک خبر (روایت) میں ہے کہ:

''بندہ و عاشق مصائب و آلام اور آزمائش و اختیار (امتحان) کو اللہ کی نعمت

خیال کرتا ہے اور خوشحالی و فارغ البالی کو مصیبت ہی سمجھتا ہے"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"صدّ یقین کے حق میں دنیا کی محرومی، ایک عظیم نعمت ہے"۔

ہمیں ایک قدیم الہامی کتاب میں خدائے قدوس کا یہ قول ملا ہے:

"اے میری ہی محبت میں میری طرف توجہ کرنے والو! جب میں تمہارے لیے حفاظتی قلعہ بن چکا ہوں تو تمہیں دنیا کی کوئی مصیبت نقصان نہیں دے سکتی۔ اور نہ ہی تمہیں تمھارا کوئی دشمن ہی ضرر پہنچا سکتا ہے، کیونکہ میں نے تمہاری سلامتی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے"۔

پس جو آدمی ہر مقام پر ہر حال میں معیت الٰہی میں رہے گا وہ کسی اور نہج پر نہ چلے گا، ماسوا اس راستے کے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ ایک عارف باللہ اور مقرب بارگاہ کا قول ان لوگوں کے بارے میں جن کے احوال و کوائف ہم نے ابھی ابھی بیان کیے ہیں، یہ ہے کہ:

"مومن لوگ اپنے لئے یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ نزول حادثات کے وقت ہی ثابت قدمی دکھائیں بلکہ جب ان کے دل پر واقعات کا اثر و غلبہ ہوتا ہے تو وہ ان پر مطمئن رہنے بلکہ صبر کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور رضائے الٰہی ان کے لئے ایسے ہے جیسے خوراک و غذا کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ ٹھیک طور سے اللہ پاک کی طرف متوجہ رہیں اور اسی سے اپنا انفرادی تعلق قائم رکھیں، لہٰذا وہ یہ کبھی بھی پسند نہ کریں گے کہ پیش آنے والے واقعات و حادثات ہی ان کے ذکر الٰہی کو مہمیز کریں یا اسے مساوات کے درجے پر لے آئیں۔

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ ۝ (سورہ یوسف:۲۱)

"اللہ اپنے کام پر غالب ہے"

مزید برآں، یہ متقی لوگ اللہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ شاید ہی

ایسا کوئی وقت ہو جس میں ان پر ہیبت الٰہیہ کے اثر و غلبہ سے ان کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ یہ اپنی کمزوریوں کا اقرار اللہ کی بارگاہ میں کریں اور اس سے امداد طلب کریں۔ سو اگر کسی ایسے مومن میں اس قسم کی کیفیت نظر آئے تو متعجب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ارشادِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے کہ:

"آخر میں بھی تو بشر ہوں۔ اے اللہ! جس کسی کو میں نے بددعا دی ہو، میری بددعا کو اس کے حق میں رحمت بنا دے"۔ [۱]

میں نے کسی عالم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"بیشک جب بندہ اپنے مولا سے مضبوط رشتہ استوار کر لیتا ہے، اس کی ذات کا وجدان (احساس) اور مشاہدہ کرتا ہے اور اسی کے قرب میں فروکش ہو جاتا ہے تو بدلتے ہوئے حالات اسے کسی طرح بھی پریشان نہیں کر سکتے بلکہ وہ اپنی باطنی نظر سے دیکھ کر یہ محسوس کر لیتا ہے کہ یہ حالات و واقعات کسی اور سے متعلق ہیں، اس کی اپنی ذات سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں۔ یہ ہے حالات سے نمٹنے کی بہترین پالیسی، اس دقیق نکتہ کو اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لیں، اور اس پر مزید تدبُّر و تفکُّر کریں۔ انشاء اللہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ سکون اِلی اللہ کیا چیز ہے؟ اور یہ کیسے ملتا ہے؟۔

بیشک انسان کا دل اللہ تعالیٰ سے جس قدر قربت قائم رکھے گا اسی قدر اللہ کی طرف قدم اُٹھانے میں اسے راحت اور اطمینان حاصل ہوگا۔

سکون اِلی اللہ کی تشریح

یہ ہے کہ دل سے مادی اشیاء کا احساس تک مٹ جائے اور ذاتی مقاصد کے پیشِ نظر جنم لینے والی تمام خواہشیں دم گھٹ کر مر جائیں۔ اور انسان ذہنی طور پر معیت الٰہی کے تصور

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۵، صفحہ نمبر ۴

میں یا اس کی طرف بڑھنے کے خیال میں پُرسکون و مطمئن رہے۔ بالآخر دنیا و آخرت سے تعلق رکھنے والے اُمور اور نیکی و اطاعت کے کام خود بخود بندے کی تلاش کریں گے کیونکہ یہ اُمور بندے ہی کے محتاج ہو جاتے ہیں اور وہ خود بخود اس کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ چونکہ اس نے تمام اُمور سے کلی طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی ہوتی ہے اور وہ اپنے مالک حقیقی کی نعمتوں پر مطمئن اور قانع ہو گیا ہوتا ہے، اس لئے اُمورِ دنیاوی اس کے ساتھ مزید وابستگی پیدا کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۝ (الزمر:۳۶)

''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟''

ہم تک ایک یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی:

''اے عیسیٰ! مجھے اپنے دل میں اس طرح جگہ دے جس طرح تو نے اپنے افکار و آلام کو جگہ دے رکھی ہے اور مجھے ہی اپنے معاد کا سرمایہ بنا لے''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جس نے تمام افکار و آلام کو ملا کر ایک ہی غم کی شکل دے لی تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام افکار و آلام ختم کر دے گا''۔

فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل علیہ السلام کی عبادت گزاری پر حیران نہیں ہوتا کیونکہ اللہ نے انہیں اتنی قوت دے رکھی ہے''۔

یہ تمام احوال و کوائف اِن لوگوں کے ہیں جن کی صفات اُوپر بیان کی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان بندگانِ خدا کو اپنے معیار پر پرکھتا ہے یا انہی کے معیار پر ان کا تجزیہ کرتا ہے تو وہ اس سے بڑھ کر کچھ معلوم نہ کر سکے گا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہوئے

نظر آتے ہیں اور وہ پیہم اپنے اندر ایک کمی کا احساس کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ بندگانِ خدا کو اللہ عزّ وجل کے معیار، قوت اور تدبیر کے مطابق پرکھنے والا خود ششدر ہو کر رہ جائے گا۔ اور اچھے کاموں کی توفیق خدا کے پاس سے ملتی ہے۔

خلاصۂ کلام

ابو سعید خراز فرماتے ہیں! میں نے اس عارف سے یہ سوال کیا. ایسا آدمی جو نہ تو باتیں کرتا ہے، نہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے، نہ کام کرتا ہے بغیر اس خیال کے کہ اس سے کوئی کام کروانا مقصود ہے، پھر وہ (کام کرتا ہے تو) نقصان اُٹھاتا ہے اور جب اسے کچھ حاصل ہو رہا ہو یا کوئی کھانے پینے کی چیز استعمال کر رہا ہو تو اس پر تعطل، کسل مندی اور بیزاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، پھر جب یہی کیفیت اس کے دوسرے کاموں میں ظاہر ہونے لگے اور وہ باتیں کرنا شروع کر دے، امورِ دنیا کی انجام دہی کے لئے ہاتھ پاؤں بھی مارے، قبض و بسط کے آثار بھی اس پر باری باری عیاں ہوں) ماکولات و مشروبات سے بھی اپنی زبان تر کر رہا ہو، اس پر وحشت کے اثرات پہلے کی طرح نہ رہیں، نہ ہی یہ اپنے اندر کسی کام کو کرنے کی طلب ہی پائے اور نہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے حسب سابق اسے کسی قسم کے نقصان سے دوچار ہونا پڑے تو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

وہ عارف فرمانے لگا: آپ نے بڑا عمدہ سوال کیا ہے۔ اب لیجئے اس کا جواب، سنتا ذرا غور سے! یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کو سمجھنا ہر مرید باعمل کے لئے لازم ہے۔

اے ابو سعید خراز! آپ جان لیں کہ طلبِ صدق رکھنے والا مرید اپنے تمام کاموں کو خوف الٰہی اور اپنے قلب کی کڑی نگرانی کے ذریعے نمٹاتا ہے، وہ اپنے مقاصد اور اعمال جوارح کا محاسبہ بھی کرتا ہے وہ اپنے تمام ہموم و مقاصد کو مجتمع کر لیتا ہے اس خوف سے کہ بادا اس کے ارادے میں کوئی ایسی چیز حائل ہو جائے جو لایعنی اور بے مقصد ہو تاکہ غفلت سے بچا رہے۔ اسے یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ جو اعمال بدن کے ظاہری اعضاء مثلاً آنکھ، نھ، پاؤں وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، مبادا کسی روحانی نقص کا باعث بننے والے فعل کا

ارتکاب نہ کر گزریں اور دل پر اثر انداز ہونے والے اذکار اور پریشان کن خیالات اس کے ارادے کو دھندلا نہ دیں۔ اسی خیال سے وہ اپنی پچھلی سرگرمیوں سے فراغت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ سرگرمیاں جائز و مناسب تھیں یا نہیں۔ بندہ کے قلب کی یہ کیفیت اس بات کی علامت ہے کہ محبت الٰہیہ سے اس کا دل معمور و مغلوب ہو چکا ہے جس کا تقاضا یہی تھا کہ یہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہے اور اس کے تمام ارمان یا آلام سمٹ کر ایک ہی نکتۂ الم پر مرکوز ہو جائیں۔ پس جب بندہ پر مسلسل یہی حالت قائم رہتی ہے تو اس کے قلب میں معرفتِ اُمور اور فطانت کی روشنی غالب ہو جاتی ہے اس کے افکار میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ نور اس کے قلب میں اپنا مسکن بنا لیتا ہے اور قرب الٰہی کا رنگ اس کے دل پر چھا جاتا ہے، اس کے تمام آلام وغموم دور ہو جاتے ہیں۔ بعدازاں بندہ جس وقت باتیں کرتا ہے تو اس وقت اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گرم پانی کی طرح اُبل اُبل جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے سویدائے قلب میں محبت الٰہیہ اپنا موطن (گھر) بنا لیتی ہے۔ یہ ایک ایسی شئے ہے کہ جب یہ انسان کے ضمیر سے متصل ہو جاتی ہے تو پھر اس سے کبھی بھی جدائی اختیار نہیں کرتی۔ ایسے آدمی کے باطنی رُموز کی یہ شان ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر اپنے اللہ کی طرف مخاطب رہنے، اس کے انعامات واحسانات کا بصد اشتیاق مطالعہ کرنے اور حسبِ خواہش اللہ سے مکالمہ کرنے میں بڑا خوش رہتا ہے۔ اسی طرح وہ کھانے پینے اور سونے کے علاوہ ہر معاملہ میں اپنے اللہ کی طرف سے سُرور پاتا ہے۔ کیونکہ جب قُرب الٰہی کا نور کسی انسان کے دل پر مستولی ہو جائے تو اعضا کی ظاہری حرکت اور پیش آنے والے افکار و آلام باطنی طور پر مغلوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس حالت میں بندہ آنے والا اور جانے والا ہوتا ہے (یعنی اس پر مجذوبیت اور سالکیت کے کوائف یکے بعد دیگر طاری ہوتے رہتے ہیں)۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے مستقل فیض پاتا بھی ہے اور دوسروں کو بھی فیض پہنچاتا ہے۔ لیکن اس کے دل پر ایک فکر ضرور غالب رہے گا اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کے قرب کا استحکام (کہیں کھو نہ جائے)۔

اے مرید (ابوسعید خراز!) کبھی آپ نے اپنی ذات کے بارے میں بھی غور و فکر نہیں

کیا کہ کس کی طرح آپ کا دل احیاناً کسی دنیوی فکر میں گرفتار ہو کر آپ کو ہر شئے سے محروم کر دیتا ہے؟۔ یہاں تک کہ آپ کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور آپ اس دنیاوی فکر کے علاوہ سب کچھ ہی بھول جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں سے نیند بھی اُڑ جاتی ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا فیصلہ عقلی بصیرت کا نور رکھنے والے ہر شخص کے نزدیک نہایت مناسب اور اس کے لائق تر ہوتا ہے۔ ہم نے جن مقامات واحوال کا ذکر اوپر کر دیا ہے، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی مقدس حفاظت میں لے لیتا ہے تا کہ وہ ہر قسم کے نقصانات سے محفوظ رہ سکیں۔

اے سائل! جو کچھ آپ کو بتایا گیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ہماری باتوں پر غور وفکر کریں، انشاءاللہ یہ سب باتیں آپ کے کام آئیں گی۔

اے ابوسعید خراز! آپ نے جو سوالات کیے اور میں نے ان کے جو جوابات دیئے دونوں کو مرتب کریں (اور کتابی صورت میں جمع کر لیں) شاید یہ آپ کے کام آسکیں۔ اور اگر میری باتوں کو آپ حقائق ومعارف کا ایک گمشدہ خزانہ خیال کرتے ہیں تو اب وہ آپ کو مل چکا ہے، اس پر آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ وہ مزید برکتیں اور رحمتیں آپ پر نازل کرے گا، اور جو کچھ آپ کے سامنے رونما ہو رہا ہے یہ عرفاء کے دیدۂ بالغ نظر سے مخفی نہیں ہے۔ انشاءاللہ! استاذ اور شاگرد (پیر ومرید) کے درمیان ریاء نام کی کوئی شئے حائل نہ ہو سکے گی۔

اور بحمد اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں راہ حقیقت کی مجھے کافی بصیرت عطا فرمائی ہے۔

تَـمَّـتْ بِالْـخَـيْرِ

❁ ❁ ❁

تصوف فاؤنڈیشن

۱۴۱۹ھ

مقاصد، طریق کار، شعبہ جات

- فرمان الٰہی ہے: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (القرآن ۶۲:۲)
"اللہ ہی وہ ذات (پاک) ہے جس نے امیوں میں ایک (عظیم المرتبت) رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔"
- تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد عظیمہ تھے، یہی تصوف اور اہل تصوف کا دستور العمل رہا ہے اور ان ہی مقاصد کے لئے تصوف فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا ہے۔
- تصوف فاؤنڈیشن ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لخت جگر کی یاد میں بطور صدقہ جاریہ یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ (یکم مئی ۱۹۹۸ء) کو قائم کیا جو کتاب و سنت، سلف صالحین اور بزرگان دین کی تعلیمات کے مطابق تبلیغ دین اور تحقیق و اشاعت کتب تصوف کے لئے وقف ہے۔
- تصوف فاؤنڈیشن ایک غیر سرکاری، غیر تجارتی، علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو ابتدائی طور پر، لائبریری کتب تصوف، شعبہ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ کتب تصوف اور شعبہ اشاعت کتب تصوف تین شعبوں پر مشتمل ہے۔
- بانی تصوف فاؤنڈیشن نے اپنی ذاتی لائبریری کا ذخیرۂ کتب تصوف جو تصوف کی تقریباً پانچ ہزار نادر و نایاب کتابوں پر مشتمل ہے، تصوف فاؤنڈیشن لائبریری

کے لئے وقف کر دیا ہے' اس ذخیرۂ کتب تصوف کی فہرست (کٹیلاگ) زیر تدوین ہے اور جلد شائع کی جا رہی ہے جو نہ صرف تصوف کے موضوع پر ایک اہم دستاویز ہو گی بلکہ اس امر کا بھی بین ثبوت ہو گی کہ تصوف فاؤنڈیشن کی لائبریری میں نادر و نایاب کتب تصوف کا عظیم الشان ذخیرۂ کتب موجود ہے جس سے تشنگان تصوف سیراب ہو سکتے ہیں۔

- بانی تصوف فاؤنڈیشن نے بیس سال قبل المعارف اور اسلامک بک فاؤنڈیشن کی طرف سے پچاس کے قریب کلاسیک اور اہم کتب تصوف شائع کی تھیں جو اب نایاب ہیں ان کتابوں کے مسودات' اشاعتی و طباعتی مواد اور حقوق اشاعت بھی تصوف فاؤنڈیشن کو منتقل کر دیئے جس سے تصوف فاؤنڈیشن نے روز اول ہی اشاعت کتب تصوف کے کام کا شاندار آغاز کر دیا اور اب تک تمیں (۳۰) سے زیادہ اہم کتب تصوف بڑے اہتمام سے شائع ہو چکی ہیں۔
- بانی تصوف فاؤنڈیشن کے ان دو اقدامات کی بدولت تصوف فاؤنڈیشن مستحکم علمی و تحقیقی بنیادوں پر منظم ہو رہا ہے اور وسائل بہم ہو سکے تو انشاء اللہ بہت جلد ایک عظیم الشان قومی اور بین الاقوامی ادارہ بن جائے گا۔
- اکابر صوفیائے کرام کی شخصیات اور ان کی تصانیف و تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لئے تصوف فاؤنڈیشن اور تصوف فاؤنڈیشن لائبریری میں الگ شعبے قائم ہونگے۔ جس کی ابتداء شعبہ شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ' شعبہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور شعبہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قیام سے کر دی گئی ہے۔ ان شعبوں کی طرف سے مختصر مدت میں متعدد علمی و تحقیقی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔
- شعبہ شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان کی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب کو حسب ذیل تین زبانوں میں بڑے اہتمام سے شائع کیا جا چکا ہے۔

۱ کشف المحجوب (نسخہ تہران) تصحیح و تحشیہ : علی قویم ' بہ کوشش و اہتمام : ارشد قریشی

۲ کشف المحجوب (نسخہ ماسکو) اردو ترجمہ تحقیق و ترجمہ : سید محمد فاروق القادری ' پیش لفظ : حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

۳ کشف المحجوب (نسخہ لاہور) انگریزی ترجمہ ' تحقیق و ترجمہ: آر۔ اے۔ نکلسن پیش لفظ : حضرت شہید اللہ فریدیؒ

○ تصوف فاؤنڈیشن لائبریری میں بھی شعبہ شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ قائم ہے ' جس میں کشف المحجوب کے مختلف متون و تراجم اور حضرت داتا گنج بخشؒ کی شخصیت کے حوالہ سے کتب جمع کی جا رہی ہیں ابتدائی طور پر اس شعبہ میں کشف المحجوب کے حسب ذیل متون و تراجم موجود ہیں جن میں اضافہ کی کوشش جاری ہے۔

۱ کشف المحجوب ' نسخہ سمرقند (فارسی متن) ' سمرقند : مطبع نامی گرامی سلیمانوف ' ۱۳۳۰ھ - ۴۹۲ صفحات۔

۲ کشف المحجوب ' نسخہ ماسکو (فارسی متن) ' از روئے متن تصحیح شدہ والنتین زوکوفسکی ' ترجمہ مقدمہ مفصل روسی بفارسی بقلم محمد عباسی۔ تہران : مؤسسہ مطبوعاتی امیر کبیر ' ۱۳۳۶ھ - ۶۷۰ صفحات۔

۳ کشف المحجوب ' نسخہ ماسکو (فارسی متن) ' تصحیح : و - زوکوفسکی ' با مقدمہ قاسم انصاری۔ تہران : کتاب خانہ ظہوری ' ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء - چاپ اول - ۶۷۲ صفحات۔

۴ کشف المحجوب نسخہ زکریاؒ (فارسی متن) ' از روئے قدیم ترین نسخہ منقول بقلم خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ بسال ۶۶۴ھ با مقدمہ پروفسور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (ستارہ پاکستان) لاہور : نوائے وقت پرنٹرز ' ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء - ۴۸۱ صفحات۔

۵ کشف المحجوب ' نسخہ اسلام آباد (فارسی متن) ' بہ کوشش دکتر محمد حسین تسبیحی '

اسلام آباد ' مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۵ء - ۷۳۰
صفحات۔

۶ کشف المحجوب ' نسخہ تہران (فارسی متن) بتصحیح و تحشیہ : علی قویم ' بہ کوشش و اہتمام : ارشد قریشی ' لاہور : تصوف فاؤنڈیشن ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء۔ ۴۰۰ صفحات۔

۷ کشف المحجوب للہجویری (عربی ترجمہ) ' تحقیق و ترجمہ و تعلیق : دکتورہ اسعاد عبدالہادی قندیل ' راجع ترجمہ : دکتور امین عبدالمجید بدوی۔ قاہرہ : مطبع الاہرام التجاریہ ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء - ۳۹۸ صفحات (جلد اول)

۸ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ) ترجمہ : آر۔ اے۔ نکلسن ' لندن : لوزک اینڈ کمپنی ۱۳۹۴ھ / ۱۹۸۶ء - ۳۹۸ صفحات۔

۹ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ) ' ترجمہ : آر۔ اے۔ نکلسن ' پیش لفظ : حضرت شہید اللہ فریدیؒ ' لاہور : تصوف فاؤنڈیشن ۱۹۹۸ء - ۴۴۶ صفحات ۔۔

۱۰ کشف المحجوب (پنجابی ترجمہ) ' ترجمہ : محمد شریف صابر لاہور : قاضی پبلیکیشنز ۱۹۹۶ء - ۷۸۰ صفحات۔

۱۱ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) بفرمائش : شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور ' ۱۳۲۲ھ - ۴۸۰ صفحات۔

۱۲ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ' ترجمہ : مولانا محمد شمس الہند ایزدی صوفی معنوی ' لاہور : شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب ۱۹۲۷ء - ۴۸۰ صفحات

۱۳ صحیفہ محبوب ترجمہ اردو کشف المحجوب ترجمہ : حکیم اللہ رکھا قریشی ' لاہور : شیخ غلام حسین اینڈ سنز پبلشرز (س۔ن) ۴۸۰ صفحات۔

۱۴ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ' ترجمہ : مولوی محمد حسین گوندالانوالیہ ضلع گوجرانوالہ ' مقدمہ : غلام دستگیر نامی ' لاہور : ملک دین محمد اینڈ سنز ناشران ' ۱۹۵۵ء - ۴۸۸ صفحات۔

۱۵ کشف المحجوب ترتیب و تلخیص بزبان اردو : میاں طفیل محمد لاہور : اسلامک

پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۶ء - ۳۹۷ صفحات۔
۱۶ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) باہتمام: وقار علی، دیو بند: مکتبہ تھانوی دیو بند (یو- پی) ۱۹۸۵ - ۵۲۰ صفحات۔
۱۷ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) نسخہ منقولہ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ بسال ۶۶۴ھ جو پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (ستارہ پاکستان) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ترجمہ: فضل دین گوہر لاہور: احمد ربانی (ناشر) ۱۹۷۲ء - ۴۰۲ صفحات۔
۱۸ کشف المحجوب اردو ترجمہ نسخہ سمرقند - ترجمہ: ابو الحسنات سید محمد احمد قادریؒ، لاہور: المعارف گنج بخش روڈ ۱۳۹۳ھ - ۶۳۲ صفحات۔
۱۹ طریق المحبوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، ترجمہ: مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی، لاہور: سنی دار الاشاعت ۱۳۸۵ء - ۳۸۰ صفحات۔
۲۰ انوار القلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب۔ ترجمہ: عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۶۸ء - ۴۰۰ صفحات -
۲۱ بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، ترجمہ: مولوی فیروز الدین، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء - ۶۶۰ صفحات
۲۲ گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، ترجمہ: پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی، لاہور ناشران قرآن لمیٹڈ ۱۹۶۸ء - ۷۰۴ صفحات۔
۲۳ کشف المحجوب (اردو ترجمہ)، ترجمہ: وقار علی بن مختار، لاہور: جہانگیر بک ڈپو ۱۹۶۸ء، ۷۰۴ صفحات۔
۲۴ کشف المحجوب (اردو ترجمہ)، ترجمہ: عبدالرؤف فاروقی، لاہور: اسلامی کتب خانہ (س - ن) ۷۱۹ صفحات۔
۲۵ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ترجمہ: محمد الطاف نیروی نائب خطیب مسجد داتا دربار لاہور، لاہور ۱۹۹۶ء - ۹۱۲ صفحات۔
۲۶ کشف المحجوب اردو ترجمہ و تشریح: کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری لاہور:

الفیصل ناشران ۱۹۹۵ء - ۹۷۲ صفحات۔

۲۷ کشف المحجوب ' نسخہ ماسکو (اردو ترجمہ): تحقیق و ترجمہ: سید محمد فاروق القادری ' پیش لفظ: حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ ' لاہور: تصوف فاؤنڈیشن ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء - ۶۱۳ صفحات۔

(نوٹ) اگر کوئی متن یا ترجمہ من و عن ایک سے زیادہ اداروں نے شائع کیا ہے تو لائبریری میں سبھی نسخے جمع کئے جا رہے لیکن اس فہرست میں صرف ایک بار درج کیا گیا ہے۔

○ احباب جانتے ہیں کہ یہ فقیر عرصہ پندرہ سال سے قلب و نظر کی انتہائی پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہے اور لکھنے پڑھنے' چلنے پھرنے' کام کاج کے قابل نہیں ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس بے کار و بے مایہ و بیمار بندہ سے یہ کام لے رہا ہے اور جس نے اس کے دوستوں کے دلوں میں بھی یہ بات راسخ کر دی ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں لوجہ اللہ فقیر کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دیں۔ آخر میں تمام اہل تصوف' اہل ذوق اور اہل خیر حضرات سے التماس ہے کہ وہ تصوف فاؤنڈیشن کے مقاصد عظیمہ کی تکمیل کیلئے بھرپور تعاون فرمائیں تاکہ تصوف فاؤنڈیشن ایک عظیم الشان قومی اور بین الاقوامی ادارہ بن سکے۔ وباللہ التوفیق۔

الداعی الی الخیر

ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

یکم صفر المظفر ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۶ اپریل ۲۰۰۱ء

○